BISHOP GORE'S "FAITH OF A CHRISTIAN.

مسیحی کا عقیدہ

یعنی دین مسیحی کے بڑے بڑے مسائل کی تشریح ہمارے زمانے کے مطابق

مصنّفہ

رائٹ ریورنڈ چارلس گور صاحب ڈی۔ ڈی

لارڈ بشپ آف برمنگھم

مترجمہ

لالہ چندو لعل صاحب

کرسچن نالج سوسائٹی لاہور

۱۹۰۸ء

طبع اوّل ۵۰۰ جلد   S. P. C. K. Lahore.   قیمت /15

BISHOP GORE'S "FAITH OF A CHRISTIAN.

مسیحی کا عقیدہ

یعنی دین مسیحی کے بڑے بڑے مسائل کی تشریح ہمارے زمانے کے مطابق

مصنّفہ

رائٹ ریورنڈ چارلس گور صاحب ڈی۔ڈی

لارڈ بشپ آف برمنگھم

مترجمہ

لالہ چندو لعل صاحب

کرسچین نالج سوسائٹی لاہور

سنہ ۱۹۰۸ع

قیمت ۶/ S. P, C. K. Lahore. طبع اوّل ۵۰۰ جلد

مطبوعہ

فیض بخش سٹیم پریس فیروزپور شہر

سنہ ۱۹۰۸ء

Scanned with CamScanner

فہرست مضامین

دیباچہ

اس رسالے کے مصنف رائٹ ریورنڈ چارلس گور ڈی۔ڈی شہر برمنگھم کے لارڈ بشپ کلیسیائے انگلستان کے مشہور و معروف علماء میں سے ہیں اور وہ کچھ عرصہ تک اکسفرڈ مشن کلکتہ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین پہلے پہل ماہواری رسالۂ انگریزی موسوم گُڈوِل کے آرٹکل کی شکل میں شائع ہوتے رہے تھے اور اس کے بعد چونکہ اُن کا رُوحانی فائدہ اہل رائے کو بہت بڑا معلوم ہؤا اس لئے یہ مضامین جمع کر کے کتاب کی شکل میں اُن کا چھپوانا مناسب معلوم ہؤا اب اُردو میں فائدہ عام کے لئے اس کتاب کا ترجمہ ہؤا مگر اس کی صرف تھوڑی سی باتیں جو خاص کلیسیائے انگلستان سے متعلق ہیں چھوڑ دی گئیں *

ناظرین پر واضح ہوگا کہ بشپ گور صاحب نے یہ رسالہ اُن لوگوں کے خیالات کا لحاظ کر کے لکھا ہے جو مذہبی مسائل یا عقائد کو غیر ضروری چیز سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کی نظر انسان کی رُوحانی زندگی کے صرف ایک ہی پہلو کی طرف ہے۔ وہ یعقوب کے خط کا حوالہ (۱ باب ۲۷ آئت) دیتے ہیں کہ ہمارے خدا اور باپ کے نزدیک خالص اور بے عیب دینداری یہ ہے کہ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی مصیبت کے وقت اُن کی خبر لیں اور اپنے آپ کو دُنیا سے بے داغ رکھیں۔

اور خداوند مسیح کے اس قول کو بھی پیش کرتے ہیں کہ اُن کے پھلوں سے تم اُنہیں پہچان لو گے اور آسمان کی بادشاہت میں وہی داخل ہوگا جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اور اُن سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مذہب کا مطلب فقط یہی ہے کہ نیک چلنی پیدا ہو۔ اور اگر یہ ہو تو اُن مسائل پر کیوں بحث کریں جن کی رُو سے مسیحیوں کے مختلف فرقے آپس میں تفریق اور اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض کا یہ خیال ہے کہ کل مذہبی عقائد کے باہمی اختلاف کا کچھ مضائقہ ہی نہیں بشرطیکہ اُن کے ماننے والے نیک چلن ہوں +

ایسے شخصوں کو اس بات کا خیال نہیں رہتا کہ خدا ہی کے سوا سچی نیکی کا چشمہ اور معیار اَور کس میں ہے اور جہاں خدا کی پہچان نہیں۔ وہاں نیکی کی پہچان کہاں؟ پھر خدا کو کس طرح پہچان سکتے ہیں جب تک وہ خود اپنی مرضی ہم پر منکشف نہ کرے۔ اور اس انکشاف کا ماحصل اور خلاصہ جو یسُوع مسیح کے وسیلے سے بنی آدم پر ہُوا ہے دینِ مسیحی کے عقائد میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اول یوحنّا ۴ ۱۹ میں لکھا ہے کہ ہم اس لئے محبّت کرتے ہیں کہ پہلے اُس نے ہم سے محبت کی۔ نیکی کا لُب لُباب محبّت ہے۔ مگر جب تک خدا پہلے ہم کو پیدا کرنے اور پھر گناہوں کی نجات دینے سے محبّت نہ کرتا تو ہم کیونکر محبت کرتے +

غرض اسی قسم کے خیالات کو صاحب ممدوح نے اس کتاب میں جانچا اور اُن کا جواب دیا ہے۔ شروع میں لفظ مسئلہ یا عقیدہ کی صحیح تعریف کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسئلہ صرف مذہب کے لئے نہیں بلکہ علم و عمل کے ہر صیغے کے لئے لابُدی ہے + اس کے بعد مسیحی دین کے بڑے مسائل کے حقیقی معنی نقل و عقل دونوں کی رو سے بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ جتاتے ہیں کہ خداوند یسوع مسیح اور اُس کے

رسولوں نے شروع ہی سے کلیسیا کو قائم کیا اور اُس کے اُصول ٹھیرا دیئے۔ اور یہ کلیسیا کتاب مقدس اور اُس کے مسائل کی محافظ اور گواہ ہے اور اُس کے پاس اس زندگی کی سچی دینداری اور اُس جہان کی مناسب تیاری کے خاص وسائل موجود ہیں ٭

جو مسیحی بھائی اپنے دین کی صحیح معرفت میں ترقی کرنی چاہتے ہیں اور نیز ایسے غیر مسیحی اصحاب جو دین مسیحی کے مسائل کی حقیقت کو جانچنا چاہتے ہیں یقین ہے کہ دونوں اس رسالے کو مفید و کارآمد پائیں گے۔ مگر یہ شرط ہے کہ اپنی عقل کو بھی اچھی طرح کام میں لائیں اور کتاب مقدس یعنی بائبل شریف کے اُن مقامات کو نظر غور سے دیکھیں جن کا حوالہ اس میں جابجا دیا ہوُا ہے ٭

اس کتاب کا ترجمہ لالہ چندو لال صاحب سابق ہیڈ ماسٹر و مترجم سررشتہ تعلیم نے کیا ہے اور نظر ثانی ریورنڈ ایچ یُو وائٹ برنخٹ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی ڈی نے کی ہے ٭

پہلا باب

مسائل یا عقائد مذہب سے کیا مراد ہے

اگلے زمانہ میں ایک بڑا دانا مرد گذرا ہے جس کا نام سقراط تھا جو یونان کے سب سے مشہور شہر مدینۃ الحکما کا باشندہ تھا۔ وہاں کے لوگ عقل وحکمت کی باتوں میں اس قدر فوق لے گئے تھے کہ اُن جیسے کہیں اب تک بھی نہیں ہوئے۔ اُن کو دلیلیں نکالنے اور بحث مباحثہ کرنیکا بھی بڑا شوق تھا۔ جس کا کلام بہت فصیح اور جس کی تقریر زبردست ہوتی تھی اُس کی قدرو منزلت سب سے زیادہ کیا کرتے تھے *

اگرچہ یہ لوگ عقل وذہانت کے پُتلے تھے تاہم اُن کی عادت میں یہ بات نہ تھی کہ جو خیالات وہ باندھیں اور جو گفتگو وہ کریں وہ بالکل صحیح ہو۔ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہمیں کونسی باتیں معلوم ہیں اور کونسی نہیں۔ جو تقریر یا دلیل بڑے زور شور کی ہوتی تھی وہی اُن کی دانست میں درحقیقت صحیح ہوتی تھی۔ سقراط نے جان لیا تھا کہ میرے ہموطنوں میں یہ عیب کی عادت ہے اور اُس کے دل نے اُس سے کہا کہ خدا نے تجھ کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تو اپنے ہموطنوں کو یہ یقین دلائے کہ وہ دانا نہیں بلکہ نادان ہیں اور اُن کو یہ بات سکھائے کہ اپنے خیالات کی صحیح تعریف کریں اور صحیح الفاظ میں ادا کریں۔ اُس کے دل میں یہ بات سمائی کہ اگر اُنہیں صحیح خیالات کی عادت پڑ جائیگی تو وہ اس بات میں تمیز کر سکینگے کہ کونسی دلیل فقط دکھاوے کی ہے اور کونسی

واقعی سچی اور صحیح ہے اور یوں وہ علم کے راستے میں واقعی ترقی کرنے لگیں گے۔ اس خیال سے وہ بولنے والوں سے اُن کے الفاظ کی بابت بحث کیا کرتا تھا۔ مثلاً جب اُس نے کسی کو شجاعت کے بارے میں بڑی فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتے دیکھا تو اس سے یہ سوال کر کے اُس کی تقریر کے دریا کی روانی کو روک دیا کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ شجاعت کہتے کس کو ہیں۔ اور اس طرح جرح کے سوالات سے یہ بات کُھل جاتی تھی کہ اس صاحب فصاحت کا خیال شجاعت ہیں اصل حقیقت ہی کے بارے میں مہمل ہے۔ اب اگر اُس شخص کو فقط یہ خیال ہوتا تھا کہ میری شہرت نہ مٹ جائے تو سقراط کی ردّو قدح سے اُس کا مزاج بگڑ جاتا تھا لیکن اگر فی الواقع حق کے دریافت کرنے ہی کا اُسے شوق ہوتا تو سقراط کے سوال وجواب سے سنجیدگی اور احتیاط اُس کی طبیعت میں پیدا ہو جاتی تھی اور پھر روز بروز ترقی کرنے لگتا تھا *

اتنی صدیوں کے بعد اس بیسویں صدی میں اب پھر ہمیں ایک سقراط کی ضرورت ہے۔ ہمارے زمانے میں ایسے شخص بہت سے ہیں جو عقل کی باتوں پر مثلاً پولٹیکل یا سوشل یا مذہبی امور پر دل وجان سے توجہ کرتے ہیں۔ اور جو شخص بڑا کلام کرنے والا ہوتا ہے اُس کی طراری پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اُس کے خیالات اور اُس کے الفاظ کو دُہرایا کرتے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ خیالات اس معاملے میں صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ اور جو لفظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ بجا اور برمحل بھی ہیں یا نہیں غرضیکہ مغالطوں کو نہیں پہچانتے اور صحیح وغلط دلیلوں میں تمیز نہیں کرتے *

اب ہم اس بارے میں ایک مثال دیتے ہیں اس کو ذرا سنو۔

مذہبی مباحثوں میں ہی اکثر سُنتے ہیں یا لکھا دیکھتے ہیں کہ مسائل کو لوگ یُوں بُرا کہتے ہیں کہ مسائل سے کچھ فائدہ نہیں۔ یا یہ تو محض مسئلے کی باتیں ہیں۔ یا یہ تو بے عقلی کے مسئلے ہیں۔ یا ان مسئلوں میں کسی سیدھے آدمی کو تو کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی زبان یا قلم سے یہ باتیں نکلتی تو اکثر ہیں مگر یاد رہے کہ ایسے خیالات دراصل مغالطے سے خالی نہیں۔ اس لئے ایسی باتوں سے انسان کی واقعی ترقی نہیں ہوتی اگر کوئی شخص سقراط جیسا ہم سے ان باتوں کے باب میں جرح کے سوال کرے تو وہ ہمیں ضرور قائل کردے کہ قباحت جو ہے وہ مسئلے کی ہرگز نہیں بلکہ اُس کے بیجا اور ناجائز استعمال ہی کی ہے۔ اب مسئلے ہی پر کیا منحصر ہے ہر اچھی چیز کو انسان چاہے تو بُری طرح استعمال کرسکتا ہے۔ مثلاً آزادی ایک اچھی چیز ہے مگر اسے بھی آدمی اس طرح کام میں لاسکتا ہے کہ وہ ایک بُرائی بن جائے۔ یہی حال مسئلے کا ہے کہ وہ اپنی ذات سے تو ایک اچھی بات ہے۔ مگر استعمال اُس کا بُری طرح کیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ ایک ایسی سچی بات ہوتی ہے جس کو لوگوں نے صحیح مان لیا ہے اور وہ ایسے سیدھے سادی طور پر بیان ہوتا ہے کہ انسانی گروہ اصول مسلم مان کر اُس کو اپنے عقیدے میں داخل کرسکتی ہے۔ اور زندگی کے سارے کاروبار میں یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اس کو سب مانتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ ایک معیار یا کسوٹی کا کام دیا کرتا ہے جس کا تقریر اور گفتگو میں عموماً حوالہ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً جب امریکہ کے اضلاع متحدہ کے ممبروں نے اول اول اپنی سلطنت جمہوری کا اعلان کیا اور اُس کے ساتھ ہی اپنے ریاست کے انتظامی قواعد کا اشتہار دیا تو جس تحریری اظہار پر اُن کی اس حکومت کی بنا پڑی ہے

اُس میں یہ بیان درج ہے کہ تمام انسان پیدائش ہی سے آزاد اور باہم برابر ہیں۔ اب یہ بات بھی ایک مسئلہ ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ اور واقعی امر کا اظہار ہے جس کو دلیلوں سے تو ثابت نہیں کیا مگر اس کی حقیقت کو مان لیا ہے۔ اور یہ بات انسانوں کی ایک بڑی گروہ یا قوم کا عقیدہ ٹھیر گئی ہے۔ جیسا کہ مذہبی عقیدہ ہوتا ہے ویسا ہی یہ پولیٹکل اعتقاد ایک قوم کا ہے۔ جب تک انسانی جماعتوں میں ایسی باتیں مان نہ لی جائیں دنیا کے کام نہیں چلتے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے یقین ہے کہ ہمارے ناظرین کو یہ بات اب صاف معلوم ہوگئی ہوگی کہ بیچارے مسئلوں کا کوئی قصور نہیں قصور جو کچھ ہے وہ ناجائز استعمال ہی کا ہے ❖

اب ہوسکتا ہے کہ کوئی دینی مسئلہ اوّل تو غلط ہو یا صحیح بنیاد پر قائم نہ ہو یا اُس کے ماننے کی وجہ کافی نہ ہو۔ یا دوم یہ کہ وہ بیفائدہ ہو اور انسان کی زندگی سے اُس کا کچھ تعلق نہ ہو یا سوم یہ کہ کسی معلّم نے اُس کو ایسے پیرائے میں بیان کیا ہو کہ سُننے والوں کی تمیز اُس کو قبول نہیں کرسکتی ❖

اگر کوئی مسئلہ صحیح نہ ہو یا اُس کے بارے میں کہنے والے کو اُس کے صحیح ہونے کا یقین نہ ہو تو اُس کی بابت یہ کہنا واجب نہیں کہ وہ مسیحی جماعت کا عقیدہ ہے۔ اگر وہ ایسا ہے کہ انسان کی زندگی سے اُس کا تعلق درحقیقت کچھ نہیں تو اس میں شک نہیں کہ مسیحی کلیسیا جیسی جماعت جو دنیا بھر کی انسانی جماعتوں میں واقعی سب سے زیادہ کام کرنے والی جماعت ہے اس کا تو وہ عقیدہ ہو نہیں سکتا۔ پھر اگر کوئی شخص اس مسئلے کو اس طرح بیان کرے کہ اُس سے سُننے والے کو رنج پہنچے تو ضرور ہے کہ اس معلّم کو یہ بات سکھائی جائے کہ وہ اس طرح تعلیم دے کہ ہر انسان کے دل میں

اپنی نیکی بڑھاوے (۲-کرنت ۴-۳)۔ لیکن جو خرابیاں مسائل کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوئی ہیں۔ اُن سے مسائل کے جائز فائدوں میں کسی طرح کا نقص نہیں پڑتا ❖

یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دنیا میں ہر جماعت یا قوم کے لئے اس سے زیادہ ضروری بات اَور کوئی نہیں کہ وہ بہیئت عام ایسی حق باتوں کو تسلیم کرے جو اس قسم کے مقولے یا مسئلے یا اُصول پڑ گئے ہوں جن کو وہ ساری قوم مانتی ہو اور اُن لوگوں کو اپنی زندگی اُنہیں مسائل یا اصولوں کے موافق گزارنے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی اور اُنہیں پر وہ چلتے ہوں ❖

ایک صحیفے میں یہ ذکر ہے کہ فارس کے مشہور بادشاہ دارا نے ایک بار اپنی سلطنت عظیم کے ہر مقام سے بڑے بڑے آدمیوں کو اس لئے بلایا کہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ تین انتخاب کئے ہوئے جوانوں سے یہ سوال کیا گیا کہ ساری دنیا میں وہ کونسی چیز ہے جو سب سے زبردست ہے اوّل جوان نے اس کا یہ جواب لکھا کہ شراب سب سے زیادہ زبردست ہے۔ دوسرے نے یہ جواب دیا کہ بادشاہ سب سے زیادہ زبردست ہے۔ تیسرے نے نہ تحریر کیا کہ عورتیں سب سے زیادہ زبردست ہیں۔ مگر جو سب پر غالب اور سب سے زیادہ زبردست ہے وہ حق ہے ❖

تینوں میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل و وجوہات پیش کیں لیکن جو دعوے سب سے پیچھے بیان ہؤا تھا آخر کار اُسی کو سب نے منظور اور سبھی نے پسند کیا۔ جب مجمع عام میں یہ فیصلہ ناطق صادر ہؤا تو تمام مجمع نے بآواز بلند کہا کہ ہاں حق ہی سب سے زبردست اور سب پر غالب ہے۔ اس میں ذرا گفتگو کو جگہ نہیں کہ یہ فیصلہ بے شک درست اور صحیح ہے ❖

یہ بات تو ہم نے ایک قدیم زمانے کی نقل کی۔ آجکل کے زمانے میں بھی اس بات کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں کہ شراب میں بہت بڑی قوت ہے۔ نہ اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی ہمارے آگے یہ ثابت کرے کہ بادشاہ اور اُس کے ارکانِ سلطنت بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ نہ عورتوں کی طاقت کا ثبوت دینے کی احتیاج ہے۔ ہاں البتہ اگر ہم کو کسی امر کے جتانے کی ضرورت ہے تو وہ یہ ہے کہ جن سچی باتوں کو عموماً انسان نے تسلیم کر لیا ہے وہ سوشل حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں۔ پس بہرحال حق یہ ہے کہ غالب اور زبردست سب سے تھا اور اب بھی ہے اور ہمیشہ رہیگا بھی ❖

رسولوں کے اعمال کے جو چند باب شروع میں ہیں اُنہیں پڑھ کر دیکھیں کہ مسیحی جماعت کی ابتدائی کیفیت جو اُن میں مذکور ہے وہ کیسی دلکش ہے۔ اُس وقت کے مسیحی شاگرد کیسے پُرتاثیر طور پر کیسی باہمی محبّت و اخلاص کے ساتھ کیسے برادرانہ میل جول سے رہتے سہتے تھے یہانتک کہ اُن کے فقط یہی برتاؤ دیکھ کر اُس زمانے کے لوگوں کو اُن کے فرقے میں شامل ہو جانے کے لئے ایسی کشش ہوتی تھی کہ اُن میں ملے بغیر رہا نہیں جاتا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہؤا کہ اس کا سبب کیا تھا سو وہ یہی تھا کہ وہ سب بالاتفاق چند مذہبی مسائل کو دل و جان سے قبول کرتے تھے یعنی وہ عقیدے کے ماننے والے یا یوں کہیئے کہ مسائل مذہب کے پُورے معتقد تھے۔ چنانچہ اعمال ۲-۴۲ میں لکھا ہے کہ وہ رسولوں سے تعلیم پانے میں مشغول رہے ❖

اور وہ مسئلے جن پر اُن کا اعتقاد تھا کیا تھے؟ وہ یہ تھے کہ خدا ہمارا باپ ہے اور اُس نے اپنے فرزند وحید کو بھیجا ہے کہ ہماری ذات کو اختیار کر کے ہمکو

گناہ کی غلامی سے چھڑائے اور اُس نے اپنا رُوح اُلقدس بھی بھیجا کہ وہ ہمارے
دلوں کے اندر سکونت کرے اور ہم کو اُس کے مقدس نام کی معرفت بخشے
اور انسانی زندگی میں اپنی قوت ظاہر کرے +

اُن کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ پاک بپتسمے میں ہم از سرِ نو پیدا ہوئے اور
پاک رفاقت میں ہم سب آپس میں بھائیوں کی طرح اکٹھے رہ کر ابن آدم یعنی
مسیح کی الٰہی اور انسانی زندگی سے غذا حاصل کرتے ہیں +

یہ اُن ابتدائی مسیحیوں کے مسئلے تھے اور یہی مسئلے اب تک ہمارے
بھی ہیں ان کو ثالوث اقدس اور تجسّم اور کفارے اور سکری منٹوں یعنی رسوم
سرّیہ اور کلیسیا کے مسائل بھی کہتے ہیں +

اب مسیحی مذہب کے یہ اصول اور چند اَور جو انہیں کی مانند ہیں اس
کتاب میں مختصر طور پر بیان ہونگے - امید ہے کہ ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائینگے
میرا منشا ہے کہ اس طرح ناظرین کی مدد کروں کہ ان مسائل کے معنی سمجھ کر
یہ جان لیں یعنی اوّل تو یہ کہ یہ مسئلے سچّے ہیں اور معقول وجوہات کے ساتھ
علی الاعلان کل آدمیوں کو بتائے جاسکتے ہیں - دوم یہ کہ انسان کی زندگی کے
ساتھ براہ راست ان کو تعلق ہے - سوم یہ کہ ہر نیک طبع انسان کو پسند آنیوالے
ہیں - اگر مجھ سے یہ ہوسکے تو میں سمجھونگا کہ میں نے اُن کی اچھی خدمت
کی - کیونکہ اُن مذہبی حقیقتوں کو جو مسلمہ ہیں مسئلے کہتے ہیں اور انکی ہم
سب کو ضرورت ہے تاکہ اُن سے ہماری زندگی کو قوّت حاصل ہو +

دوسرا باب

خدا کو کس معنی میں باپ کہتے ہیں

مسیحی دین کا ایک ابتدائی مسئلہ تو یہ ہے کہ خدا ہم سب کا باپ ہے -
عام لوگوں کے خیال کے مطابق تو یہ بات مسئلے کی صورت سے بالکل
بعید ہے اور اس حق الامر میں کہ خدا ہمارا باپ ہے اور ہم سب آپس
میں بھائی بھائی ہیں دینی مسئلہ ہونے کی بو اور سب باتوں سے کم پائی
جاتی ہے - ہم اس وقت اس بات کی بحث تو نہیں کرتے کہ یہ حق الامر
مسئلے کی قسم میں سے ہے یا نہیں - مگر صرف اس کے مطالب پر غور کرتے
ہیں - بات یہ ہے کہ اس امر سے تو ہم سب خوب طرح واقف اور اس
میں بھی کلام نہیں کہ یہ مسیحی خیال ہے - لیکن تاہم دیکھا جاتا ہے کہ مسیحی لوگ
اس کے حقیقی معنی سمجھنے میں بڑی ٹکریں کھاتے ہیں اس کی ایک وجہ تو
یہ ہے کہ انگلستان میں شہر جنیوا کے مشہور معلّم کالون کی تعلیم کا اثر بڑا ہے -
وہ نامی گرامی اُستاد تو ضرور تھا مگر اُس کی تعلیم لوگوں کو کسی قدر گمراہی
میں لے جانے والی ہے - کیونکہ اُس نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات
ذہن نشین کردی ہے کہ بہت سے انسان تو ایسے ہیں کہ اپنی خلقت
ہی کے وقت سے خدا کی مطلق العنان مرضی کے مطابق ابدی سزا کے
لئے مقرر ہوئے ہیں - اس کے علاوہ ایک اَور وجہ یہ ہے جو پہلی وجہ
کے بالکل برعکس ہے کہ ایک اَور خیالات کے لوگوں کا بھی بہت اثر ہے -

یہ وہ لوگ ہیں جو مذہبی امور میں اپنے تئیں بڑی آزادی دیتے ہیں۔ اور مسائل دین کی جیسی کچھ تعظیم اور پابندی کہ ہونی چاہیئے ویسی نہیں کرتے۔ ان لوگوں کے خیالات کلام الہی کے موافق نہیں بلکہ ابتر و پریشان ہوتے ہیں یہ لوگ اس مسئلے میں. جو نرمی کے ساتھ تشدّد بھی ہے اُس کو مٹا دیتے ہیں ✣

اب یہ خیال کہ خدا یا معبُود بنی آدم کا باپ ہے فقط موحدّون ہی کے عقیدے میں نہیں بلکہ تقریباً اور سب مذہبوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ تمام انسانوں کے اعتقاد کا میلان اسی طرف ہے کہ ہم نے اپنی زندگی خدا ہی سے حاصل کی ہے۔ چنانچہ پَولُوس رسول نے شہر مدینۃ الحکماء میں وعظ کرتے وقت یہ بات ایک خاص یونانی شاعر کی نظم سے نقل کی جس کا مضمون یہ ہے کہ ہم تو اُس کی نسل بھی ہیں ✣

اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا سارے انسانوں کا باپ ہے۔ مگر صرف یہ بات کہ ہم اپنی زندگی خدا سے حاصل کرتے ہیں ایک معنی میں تو ایسی بھاری ہے کہ اس ایک ہی بات میں سے اور ساری باتیں نکل آتی ہیں۔ لیکن پھر بھی جس معنی میں کہ مسیحیوں کی مراد خدا کے باپ ہونے سے ہے اُس کا تو یہ فقط ایک چھوٹا سا حصّہ ہے ✣

(ا) جب ہم کہتے ہیں کہ خدا ہم سب کا باپ ہے تو اس سے یہ مطلب ہے کہ اُس کی محبّت ہم سب کی طرف بلا طرفداری کے ہے۔ اس دنیا میں تو بڑی بے رحمی بے انصافی اور طرفداری کی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ باوجود ان ساری بُری باتوں کے ہمارے آسمانی باپ کا دل ہماری طرف ہمیشہ مائل ہے۔ وہ دل جس میں بغیر

طرفداری کے سب کی محبّت بھری ہوئی ہے۔ انجیل میں اس سچّی بات کا ذکر یا اس کی طرف اشارہ بار بار آیا ہے۔ مثلاً یوحنّا کے پہلے خط کے چوتھے باب کی آٹھویں آئت میں لکھا ہے کہ خدا محبّت ہے اور پھر رسولوں کے اعمال کے دسویں باب کی چونتیسویں آئت میں یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کسی کا طرفدار نہیں اور پطرس کے پہلے خط کے پہلے باب کی سترھویں آئت میں یوں آیا ہے کہ تم باپ کہہ کر اُس سے دُعا مانگتے ہو جو ہر ایک کے کام کے موافق بغیر طرفداری کے انصاف کرتا ہے۔ بعض وقت ہمارے دل یہ کہنے کو تیار ہوتے ہیں کہ خدا کی بے رُو رعائت محبّت کا خیال دل کو کیسا خوش آتا ہے مگر ظاہر حال اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ کوئی شخص تو سخت آزمائش میں مبتلا ہے۔ کوئی ایسا ہے کہ اُس پر شاید ہی کبھی کوئی آزمائش آتی ہو۔ اسی طرح ایک شخص کو تو دُنیا میں ہر طرح کی آسائش اور فائدہ حاصل ہے دوسرے کو ہر طرح کی مشکل پیش آتی ہے۔ اور باوجودیکہ مسیحی دین نجات کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پھر بھی تو کوئی ایسا ہے کہ اُس کو دین مسیحی کی ساری صحیح باتیں معلوم ہیں اور دوسرا بُت پرستوں کی سی تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔ پس کیا یہ ساری باتیں انصاف کے موافق ہیں؟ کیا یہی خدا کی محبّت ہے جسے ہم طرفداری سے خالی کہتے ہیں؟

ہم ایسے اعتراضوں کی مفصّل بحث یہاں نہیں کرتے بلکہ مختصراً اس پر غور کرینگے۔ ہم اس وقت اس بات کی بحث نہیں چھیڑتے کہ انسانوں کے درمیان یہ فرق کیوں ہونے ضرور ہیں۔ یا یہ فرق کس درجے تک تو خدا کی مرضی کے مطابق ہیں اور کہاں تک وہ انسان کے گناہوں کا

نتیجہ ہیں مگر ہم اس بات کو مان لیتے ہیں کہ دنیا میں انسانوں کے درمیان بے شبہ ظاہرا بڑے فرق ہیں۔ لیکن کیا ان سے خدا کی بے رُو رعائت محبّت کا خیال باطل ٹھیر جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ خدا کل نفع و نقصان کی حالت کا لحاظ کر کے ہر شخص کو جانچتا اور اُس کا انصاف کرتا ہے جب کسی شخص کا مزاج پیدائش سے ہوتا تو چڑچڑا ہے مگر پھر بھی مہر و محبّت کے کلمے اُس کی زبان سے نکلتے ہیں تو خدا اُس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر جو شخص پیدائشی خوش مزاج ہے اور پھر وہ خوش خلقی کا برتاؤ برتے تو پہلے شخص کی نسبت خدا اس سے بہت کم خوش ہوتا ہے۔ اور جب ایک عزّت دار شریف شراب خوار ہونے کے خیال ہی سے کانپ جاتا ہے اور شراب پینے میں اعتدال کو ہاتھ سے نہیں دیتا تو خدا اُس کی معتدل مزاجی کو ایک ہلکی سی بات سمجھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نشے سے اپنے تئیں بچاوے جس کی چاروں طرف مے کشی کی ترغیب کا سامان ہو تو اُس کی پرہیزگاری کی بڑی قدر و منزلت کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خدا جب ہماری حالت کا اندازہ کرتا ہے تو ہماری پیدائشی خصلتوں اور ہمارے موقعوں کا بھی خیال رکھتا ہے اور ان پر لحاظ کر کے ہمارا انصاف کرتا ہے ✤

ہمارے حالات اور معاملات میں جو باہم اختلافات ہیں اس کا ایک سبب تو بیشک یہ ہے کہ خدا کی قدرت کے انتظام میں قاعدہ انتخاب کا نظر آتا ہے یعنی خاص خاص لوگوں کو خاص خاص برکات کے لئے وہ منتخب کر لیتا ہے۔ کوئی کہے کہ یہ بات تو طرفداری کی ہے کہ ایک پر تو مہربانی کی اور دوسرے پر نہ کی تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ مثلاً یہودیوں یا بنی اسرائیل

کو خدا نے دنیا کی ساری قدیم قوموں میں سے اس برکت کے لئے چُن لیا تھا کہ اُنہیں اپنی صحیح معرفت کا علم بخشے۔ لیکن کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ خدا کے خاص پیارے بندے تھے؟ نہیں۔ کیونکہ اُنہیں کے ایک نبی آموس کے صحیفے میں اُس کے تیسرے باب کی دوسری آئت میں یہودیوں کی طرف مخاطب ہو کر خدا فرماتا ہے کہ مَیں نے زمین کے سارے گھرانوں میں سے صرف تمہیں کو جانا ہے اس لئے میں تمہیں تمہاری ساری بدکاریوں کی سزا دونگا۔ اس بات سے وہ اعتراض رد ہو جاتا ہے کہ خدا نے یہودیوں کو اپنی خاص قوم ہونے کے لئے چُنکر اُن کی رُو رعائت کی۔ نہ صرف آموس کی کتاب کی آئت اس امر پر یہ شہادت دیتی ہے بلکہ یہی حقیقت پُرانے اور نئے دونو عہد ناموں میں جابجا پائی جاتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس صحیح بات سے دُہی چُنے ہوئے لوگ اس نصیحت کے حاصل کرنے سے غافل ہیں کیونکہ جس قدر کوئی قوم یا کوئی فرد بشر چنا ہوًا خدا کا ہوگا اُسی قدر ذمہ واری بھی اُس کی ہوگی۔ ایک شخص کو تو چُن کر خدا دولت دیدیتا ہے۔ دوسرے کو کوئی خاص لیاقت عنائت کرتا ہے۔ مثلاً زبان کی فصاحت اور خوش بیانی یا گانے میں خوش الحانی۔ کسی کو طبعی مزاج بہت اچھّا عطا فرماتا ہے بعض لوگوں کو مسیحی بنا کر مسیح کے وسیلے سے سچّی معرفت اپنی بخشتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی خاص برکت یا خوبی کے لئے منتخب ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اُس کے مطابق ذمّہ واری بھی لگی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے برعکس جب کوئی بخشش کسی کو نہیں ملی تو وہ ذمّہ واری بھی اُس کا نہیں۔ مثلاً بُت پرست لوگ جو مسیح کی خوشخبری سے واقف نہیں وہ اُس کو

نہ جاننے کے خطاوار ہی نہیں۔ کیونکہ خدا ایک باپ ہے اور باپ بھی
ایسا جس کی محبّت بے طرفداری کے ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی
نجات پائیں اور ہم کو اس بات کے بارے میں پورا یقین رکھنا چاہیئے کہ
کوئی شخص اس وجہ سے نجات سے بے بہرہ نہ رہیگا کہ اُس کی قابلیّت
کم تھی یا اُس کو موقعے خاطر خواہ نہ ملے۔ کیونکہ خدا کی یہ بات کہ وہ باپ
ہمارا ہے دلالت اس امر پر کرتی ہے کہ اُس کی محبّت سب کے ساتھ
یکساں ہے اور طرفداری وہ کسی کی نہیں کرتا اور ایک ابدی زمانہ اُس
کے آگے موجود ہے جس میں وہ کام کرتا رہیگا۔ تاکہ جن شخصوں کو اس
زندگی میں کچھ موقعے اچھّے نہ ملے مگر پھر بھی اُنھوں نے اُنہی موقعوں سے
تا بمقدور فائدہ اُٹھایا اُن کا وہ آئندہ زمانوں میں حد کے درجے تک
مطلب پورا کرے ٭

(۲) جب خدا ہم سب کا باپ ہے تو اس سے یہی مُراد ہے کہ اُس
کی محبّت فرداً فرداً ہر ایک سے متعلّق ہے۔ دنیا میں تو ایک ایک امیر سو
سو غریبوں کے برابر سمجھا جاتا ہے لیکن خدا کے ہاں ہر انسان ایک ہی
انسان ہے۔ ایسا کوئی ہی نہیں جسے ایک شخص واحد سے زیادہ وہ سمجھے۔
اس سے ہماری یہ مراد نہیں کہ سب کی حیثیت اُس کی نظر میں ایک ہی
سی ہے۔ ہم سب میں پیدائش ہی سے فرق ہے۔ کوئی کیسا ہے اور کوئی
کیسا۔ یہ امر یہاں تک درست ہے کہ اگر ہم سب پیر کی صبح کو ایک ہی
سے حیثیت اور درجے میں بنائے جاتے تو ہفتے کی شام تک پھر ہم میں
فرق پیدا ہو جاتا۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خدا کی نظر
میں ہم سب انسانوں کی قدر و منزلت ایک سی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہم

میں سے ہر ایک اپنی ذاتی لیاقت کو پُورے درجے تک پہنچا سکے۔ اُسکو
ہر شخص کے دل کا سارا حال معلوم ہے پس وہ اپنی تجویزوں اور ارادوں
کو اُس ابدی زمانے میں جو آنے والا ہے پُورا کریگا۔ یہ ایک ایسی حقیقت
ہے جو اس دُنیا کی بے انتظامیوں اور رجم گھٹوں میں ہمارے دلوں پر
مشکل سے نقش ہوتی ہے۔ خدا کو واقعی ہر بشر سے ایسی محبّت ہے کہ گویا
دُنیا بھر میں اُس کے سوا اَور کوئی اُس کا محبوب نہیں۔ وہ دانا جسنے ناصح
نام ایک کتاب لکھی ہے یوں فرماتا ہے کہ تُو اپنے دل میں یہ نہ کہہ کہ آسمان
پر سے مجھے کون یاد کرتا ہوگا۔ کیونکہ اتنے بیشمار آدمیوں میں میرا کیا شمار
اور پرسش ہے اور اس قدر بے حد مخلوقات کے سامنے میری ایک رُوح
کی کیا حقیقت ہے۔ کیونکہ خدا نے نہ صرف سارے جہان کو پیدا کیا اور اس
سے اُس کو محبّت ہے اور اُس پر اُس کی نظر رہتی ہے بلکہ ایک ایک چیز
کو بھی اُسی نے پیدا کیا ہے۔ کثرت خلق کی کیسی ہی ہو ایسا کوئی فرد
بشر نہیں جو کسی حال میں بھی اُس کی نظر سے مخفی اور اُس کے علم سے باہر
ہو۔ اور ہر ایک سے اُس کو محبّت اور ہر ایک پر اُس کی نگاہ ہے۔ کیا
اس بات کا یقین کرنا کسی کو محال معلوم ہوتا ہے؟ ذرا یہ تو خیال کرو کہ
خود ہم انسانوں کا یہ حال ہے کہ جب تک ہمارا علم تھوڑا سا ہوتا ہے اُس
وقت وہ بے ٹھکانا ہوتا ہے اور عام طور کا۔ مگر جس قدر بڑھتا اور وسیع
ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُس میں سے یہ نقص مٹتے جاتے ہیں اور زیادہ
خصوصیت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اُستاد کسی مدرسے کا اپنے شاگردوں
کا حال ایک اجنبی کی نسبت بہت زیادہ جانتا ہے وہ فرداً فرداً ہر ایک
سے واقف ہے۔ عملی باتوں میں بھی ایسا ہی حال ہے۔ مثلاً اچھّے اور بُرے

جرّاح ہیں۔ یہی فرق ہے کہ جو اچھا ہوشیار ہے وہ محض عام قاعدوں کا پابند نہیں رہتا بلکہ بیماری کی ہر خاص صورت پر خاص طور پر غور کرکے معالجہ مناسب حال کرتا ہے۔ اب ہم اس خیال کو اور آگے بڑھا کر اپنے خدائے کامل کی طرف لگائیں (متی ۵-۴۸)۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا کامل ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جس طرح وہ کل جہان کی مخلوقات کا حال جانتا ہے اور اُس کے لئے جو کچھ کرنا ہے کرتا ہے اور اُس کا یہ علم و عمل نامحدود و بے اندازہ ہے اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہر چیز کے حال سے بھی بخوبی واقف ہے اور اُس کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی۔ خدا تمہیں اور مجھے دونو کو جانتا اور ہم دونو کے لئے سب کچھ اس طرح کرتا ہے کہ گویا تمام دنیا میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ جس کو وہ جانتا ہو یا جس کے لئے کچھ کرتا ہو۔ اور یہ مسئلہ کہ خدا کو ہر شخص سے محبّت ہے مسیح کے اس کلام سے ظاہر ہے جو متی کی انجیل کے دسویں باب کی اُنتیسویں اور تیسویں آئت میں درج ہے۔ وہاں مسیح نے خدا کو ہر شخص کا باپ قرار دیکر اُس کی یہ خاصیت ظاہر کی ہے ✣

پس کارِون جیسا معلّم کچھ ہی کیوں نہ کہے خدا کا یہ لقب کہ وہ تمام انسانوں کا باپ ہے صاف اُس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کو ہر فردِ بشر سے بے طرفداری کے محبّت ہے ✣

(۳) خدا کے ہمارے باپ ہونے سے یہ مطلب بھی ہے کہ اُس کی محبّت غیرت یا رشک کے ساتھ ہے۔ یعنی وہ یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ جو حق اُس کو ہم پر ہے وہ کسی اَور کو دیدیا جائے۔ یہ امر صحیح ہے۔

گو جن لوگوں کا اعتقاد مسیحی مذہب کے بارے میں ضعیف ہے وہ جو چاہیں سو مانیں اور کہیں ✣

یاد رہے کہ غیرت یا رشک اکثر اوقات بُرے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ یعنی جب ایک شخص دوسرے سے بہت زیادتی کے ساتھ محبّت کی اُمید یا دعوےٰ رکھتا ہے تو اُس صورت میں بھی یہ لفظ کام میں آتا ہے۔ مثلاً جس محبّت کی توقّع خاوند اپنی بیوی سے رکھتا ہے یا دوست دوست سے تو اُس حد سے زیادہ اُمید کی ہوئی محبّت کے لئے اکثر یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اس قدر محبّت کا دعوےٰ کرنا تو جائز نہیں مگر محبّت کے لئے غیرت یا رشک کا ہونا ایک خاص درجے تک جائز ہے۔ اس بات کا دعوےٰ کرنا کہ جو محبّت فلاں شخص کو مجھ سے ہو وہ ایسی ہو کہ کسی دوسرے کی محبّت کی اُس میں شرکت نہ ہو یہ بھی کسی قدر جائز ہے۔ مثلاً خاوند اپنی بیوی سے اور بیوی اپنے خاوند سے اور باپ اپنے بیٹے سے ایسی محبّت کی توقّع رکھ سکتا ہے ✣

خدا کی ایک خاصیّت یہ بھی ہے کہ وہ صاحب غیرت یا صاحب رشک بھی ہے اور چونکہ وہ تمام ارواح انسانی کا باپ ہے اس وجہ سے اُس کا یہ دعوےٰ کہ میرے بچّے اپنے سارے دل و جان سے میرے ساتھ محبّت رکھیں یا اپنے سارے دل کو مجھے دیدیں واجب و درست ہے۔ چنانچہ خدا نے ملاکی نبی کی معرفت بنی اسرائیل سے کہا (۱-۶) کہ اگر میں باپ ہوں تو میری عزّت کہاں۔ ہاں اگر خدا ہمارا صرف خالق ہی ہوتا تو شاید ہماری ظاہری بندگی اور معمولی رسموں ہی کو قبول کر لیتا مگر جس حال میں کہ وہ ہمارا باپ بھی ہے تو ہم سے جو اُس کے

بیٹے ہیں اُس وقت تک خوش نہیں ہو سکتا جب تک اپنی محبّت کے جواب میں ہمارے دلوں کے اندر بھی محبّت بیٹوں ہی کی سی نہ دیکھے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ہم سے صرف اس قدر محبّت کی امید کرتا ہے۔ جس قدر موقعے ہم کو اس دُنیا میں اپنی اپنی جُدا جُدا حالتوں کے موافق ملے ہیں اور اُنہیں کے اندازے کے موافق ہیں۔ مگر اُس کا یہ تقاضا کہ ہم اپنے موقعوں کے اندازے کے موافق اُس کی محبّت کے جواب میں اُس سے محبّت رکھیں ایسا ناگزیر ہے کہ اُس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں اور نہ وہ اُس میں کہیں فروگزاشت کرتا ہے۔ یعنی ہم اُس کا یہ قرض ادا کئے بغیر کبھی بری نہیں ہو سکتے ✠

جن لوگوں کا مسیحی ایمان کامل اور خالص نہیں وہ اس بات کو بھول جایا کرتے ہیں۔ مگر مسیح ابن آدم کا کلام اس امر کے بارے میں ایسا قوی اور زبردست ہے کہ وہ ہمارے کانوں میں جھنجھناتا اور ہمیں اس خواب غفلت سے چونکاتا رہتا ہے۔ خدا نے ہم کو اپنا فرزند ہونے کے لئے پیدا کیا ہے اور فرزندی کا مطلب یہ ہے کہ دل و جان اور عقل کے اعتبار سے اپنے باپ خدا کے ساتھ ایک ہو جائیں۔ خدا ہماری طبیعت میں یہ بات دیکھنی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ ہم کو اپنی محبّت کی بڑی نعمت دینے کو تیّار ہے ہم بھی اس کے جواب میں اُس کی محبّت کی رفاقت کے لئے آرزومند ہوں اور اس لئے کہ خدا ایک باپ ہے اور باپ بھی ایسا کہ اُس میں کبھی اَدل بدل کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ضرور ہے کہ وہ اپنے اُن بیٹوں سے جو بیٹوں کی طرح اُس کے ساتھ سلوک نہیں رکھتے ایسا قہر کریگا جو بدلنے والا نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ

یہ بات فراموش نہ رہے کہ خدا گو ہمارا باپ ہے مگر شفقت پدری کے ساتھ صفت قہّاری بھی اُس کی بہت سخت ہے ✠

(۴) جو کچھ ہم نے اوپر تحریر کیا ہے اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جب ہم خدا کا گناہ کرینگے تو وہ ضرور ہمیں اُس کی سزا دیگا۔ اُس کا یہ رشتہ کہ وہ باپ ہے نہ صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کے دل میں بیٹوں کی فقط محبّت ہی ہو بلکہ یہ بھی کہ جب بیٹے بُرائی کریں تو اُن کو تنبیہ و سرزنش بھی کرے۔ چنانچہ عبرانیوں کے خط کے بارھویں باب کی آٹھویں آئت میں یہ لکھا ہے کہ جب تمہیں وہ تنبیہ نہ کی گئی جس میں سب شریک ہیں تو تم حرامزادے ٹھیرے نہ بیٹے۔ ہم ابھی اُس ادق مسئلے کی بحث نہیں کرتے جو گناہ کے آغاز کے باب میں ہے نہ اس بات کا ذکر چھیڑنا چاہتے ہیں کہ گناہ نے کس طرح سے انسان کے دل میں اور ساری دُنیا کے اندر ایسا خوفناک قبضہ بٹھا لیا ہے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ گناہ کا موجود ہونا ایک ایسا امر واقعی ہے کہ سارے آدمیوں کا تجربہ اس پر گواہی دیتا ہے پھر اس واقعی امر کی شہادت بھی تجربے سے ہوئی ہے کہ انسان گناہ کی گندگی سے دُکھ سہے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ اعراف اس جہان میں ہو یا اگلے جہان میں دُکھ اور عذاب بغیر نہیں ہے ✠

حاصل کلام یہ کہ ہمارا آسمانی باپ سیاست کرنے والا خدا ہے۔ اسی عبرانیوں کے خط میں یہ بھی آیا ہے کہ جس کو وہ بیٹا بنا لیتا ہے اُس کو کوڑے بھی لگاتا ہے (۱۲-۶)۔ یہاں تک یہ امر درست آیا ہے کہ خدا کا پیارا بیٹا یسوع مسیح بھی جیسا کہ یشعیاہ نبی کے کلام میں (۵۳-۳) اُسکے

حق میں لکھا ہے مرد غمناک ہوُا ٭

(۵) جب خدا ہمارا باپ ہے تو اس سے یہ بھی لازم آیا ہے کہ وہ ہمارے قصوروں کو معاف کرنے پر بے حد درجے تک تیار ہو۔ اور بیشک خدا ہماری ناقص سی توبہ کو بیشمار دفعہ قبول کرتا اور ہم کو ہمّت دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو راستی کے ساتھ گذارنے کے لئے پھر نئے سرے سے کمر باندھیں۔ اپنی عمر بھر جب تک ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اپنی بدی سے باز آئیں اور خدا کی طرف رجوع کر کے اُس کے حکموں پر چلنا اختیار کریں تب تک بالتحقیق خدا ہی ہمیں قبول کرنے کو راضی ہے۔ لیکن ہم کو یہ بھی یاد رہے کہ ہو سکتا ہے کہ بیٹوں کی بدی اور سرکشی سے آخر ایک دن باپ کا دل ایسا کھٹّا ہو جائے کہ وہ اُنہیں قبول کرنے سے انکار کرے۔ اس بات کا ہم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا ہر شخص کو اس بات کے لئے پورا پورا موقع دیگا کہ اس دنیا میں یا اگلے جہان میں وہ اُس کو جان سکے اور اُس کے ساتھ میل ملاپ کر سکے۔ لیکن فرض کرو کہ ایک شخص کو متواتر ایسے موقع دئے جاتے ہیں مگر وہ اُن سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ جو روشنی کہ اُس کے دل میں موجود ہے باوجود اس کے گُناہ ہی گُناہ کئے جاتا ہے یہاں تک کہ آخر کار جو جو کچھ بھلی باتیں اُس میں تھیں اُن سبھی کو وہ کھو بیٹھا اور بدی کو اپنے لئے نیکی سمجھا اور شیطان کو اپنا خدا بنایا۔ ایسے شخص کا انجام کیا ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ وہ اپنے باپ خدا کے حضور سے نکال دیا جائے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس سے دل کانپتا ہے۔ ہم اس بات کا ذکر آئندہ ایک جگہ پھر کرینگے اس وقت تو یُوں ہی سا اُس نہائت سیدھے سادے مسیحی

اصول کا ذیل میں کر دیا ہے جس کی بحث ہم یہاں کر رہے ہیں کہ خدا ہم سب انسانوں کا باپ ہے۔ یہ واقعی بات اگرچہ ایسی صاف تو ظاہر ہے مگر تجربے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی لوگ بھی اس کی حقیقت سے بڑے ناواقف ہیں ٭

اگر ہمارے دل میں یقین اس بات کا واقعی طور سے پیدا ہو جائے کہ ہمارا ایک ایسا آسمانی باپ ہے تو کیا اس سے اس دنیا میں ہماری زندگی پر ایک زمین اور آسمان کا سا فرق نہ ہو جائے۔ وہ مسیحی دین کی رُو سے کسی ظالم بادشاہ کی طرح نہیں بلکہ ایک باپ کی مانند ہے جو اپنی کسی مخلوق کی رُوح سے کبھی غافل نہیں ہوتا بلکہ بے رُو رعائت فرداً فرداً ہر ایک کی طرف متوجہ رہتا اور اُس کا فکر رکھتا ہے۔ اور اس سے یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبّت رکھے اور میری خدمت کرے۔ اور اگرچہ اب وہ کچھ عرصے کے لئے اپنا رُخ ہم سے پھیر بھی لے اور بڑی سخت سزا دیکر ہمیں تنبیہ کرے۔ لیکن یہ بھی تحقیق ہے کہ آخر کار وہ ہمیں اس قدر آسائش و آسودگی پہنچائیگا جس قدر کہ ہم اُسکی قابلیت رکھتے ہیں۔ اب میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ہم اس بات کا یقین کر سکیں تو کیا اس سے ایسا معلوم نہ ہو گا کہ گویا ایک آفتاب ہے جو ہمارے دلوں پر ہمیشہ چمکتا رہتا ہے ٭

تیسرا باب

مسیحی مذہب کے مسائل سے کیا مُراد ہے

جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعی بات کہ خدا سارے انسانوں کا باپ ہے مسیحی مذہب کا ایک مسئلہ ہے تو سُن کر حیران ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا خیال اس امر کے بارے میں یہ ہے کہ یہ جُزو ایسے مذہب کا ہے جس میں مسئلے ہوتے ہی نہیں۔ شائد اُن کا یہ خیال ہو کہ دینی مسئلہ ایسا دعوےٰ ہے جو ہر کسی کے کانوں کو ناگوار ہی معلوم ہو۔ مگر یاد رہے کہ مسیحی مذہب کے کسی مسئلے کی مراد ایسی حقیقت سے نہیں جو دل کو ناپسند ہو۔ بلکہ وہ ایسی سچّی بات ہوتی ہے جس کا یقین کرنا ہر شخص پر واجب ہے جو مسیحی ہونا چاہتا ہے۔ وہ کوئی ایسی صحیح بات ہوتی ہے جس کو سارے لوگ مسیحی ہوتے وقت بلا شک وشبہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہم اب سے ساری عمر اس کے موافق چلینگے۔ یہ حق الامر بھی کہ خدا ہم سب کا باپ ہے مسیحی مذہب کی اُن حقیقتوں میں سے ایک ہے جن کو سارے مسیحی مانتے ہیں۔ جو لوگ مسیحی نہیں ہیں وہ بھی اس حقیقی امر کو عاریتاً لیکر مان سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک سچّی بات ہے جس کی آواز ہر شخص کے دل میں گونج رہی ہے۔ اسی بات کو ایک مصنّف نے یوں ادا کیا ہے کہ انسانی رُوح جو پیدائش ہی سے مسیحی طبیعت کی ہوتی ہے اُس کی یہ گواہی ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اگر

تاریخی واقعات کا لحاظ کیا جائے تو اس حق بات کا علم دنیا کو مسیحی مذہب کی ذیل میں حاصل ہؤا ہے۔ بہرحال جس معنی میں کہ ہم نے اس حقیقت کی تشریح اس سے پہلے باب میں بیان کی ہے اُس معنی میں یہ بات صرف مسیحی مذہب کے ساتھ دنیا پر ظاہر ہوئی ہے ؛

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اس امر کے ایک مسیحی مسئلے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس شخص کے سوا جو مسیح کو خدا مانتا اور یہ بھی یقین کرتا ہے کہ وہ مرکر پھر زندہ ہؤا ہے اور کسی شخص کو دراصل یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس مسئلے کو تحقیق طور سے اور بے کھٹکے مانے۔ کیونکہ جب تک ہماری زندگی خوشی خوشی گذر رہی ہے اگر اُس وقت تک یہ بات ہم کو ظاہر معلوم دے کہ خدا ہمارا باپ ہے تو تعجّب نہیں مگر جس وقت ہم دُکھ اور مایُوسی کی حالت میں مبتلا ہوں اور ہمارے دل پر اُس کا غلبہ چھا جائے تو مجھے اس بات کا ماننا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں یہ خیال کہ خدا ہمارا باپ ہے تجربے کے خلاف پڑتا ہے۔ اُس وقت ہماری ذاتی طبیعت کو اس خیال سے پھُریری آتی اور اُس کو یہ ایک تمسخر سا معلوم ہوتا ہے ؛

اب کوئی پوچھے کہ پھر مسیح نے کیونکر اس بات کو قابل یقین بنا دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دُنیا میں جو دُکھ درد پھیلا ہؤا ہے اس کے بھید کی کیفیت تو مسیح نے کچھ بیان نہیں کی۔ اُس نے اس کی تشریح میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ مگر ہاں اُس نے ایک بات کی کہ خدا کی محبّت کو دُکھ کی حالت میں اور دُکھ کے ذریعے سے ہم پر منکشف کیا۔ اگر کوئی نورانی فرشتہ بھی آسمان پر سے یہ پیغام لیکر ہمارے پاس آتا کہ خدا محبّت ہے تو ہم

اُس کی اس بات کا یقین نہ کرتے اور یہ کہتے کہ ہاں یہ لفظ تو بڑے خوبصورت
ہیں مگر جو واقعی امر ہے وہ ہم پر روشن ہے۔ اور جو واقعات کہ تجربے
سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں وہ اس خوشنما پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔ مگر اس
بات کا یقین کہ یہ امر واقعی سچ ہے ہم کو اس مرد غمناک مسیح کے مشاہدے
سے حاصل ہوسکتا ہے ؞

اگر مسیح اَور سارے آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا تب وہ اس سچّی
بات کو ہم پر ثابت نہ کر سکتا۔ اُس صورت میں وہ بھی بہت سے شہیدوں
کی طرح صرف ایک شہید ہوتا۔ اور اس بات کو دیکھ کر کہ مسیح جیسا شخص
انسانوں میں سب سے بہتر مرد ہوُا ہے۔ اوّل تو وہ ساری عمر دُکھ میں کاٹے
اور لوگوں کی طرف سے رد کیا جائے اور پھر بھی وہ صلیب پر دُکھ کے ساتھ
مارا جائے۔ اس سے یہ بات کبھی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکتی کہ خدا ایک
باپ ہے۔ لیکن مسیح کا دعوےٰ یہ تھا کہ میں باپ کے ساتھ رُوح اور عقل
اور وجود میں ایک ہوں۔ اس لئے اُس سے محبّت کرنا خدا سے محبّت کرنا
ہے۔ وہ شخص اَور کوئی نہ تھا مگر خدا کا حقیقی بیٹا جو ہماری سرشت کو اختیار
کرکے ہمارے دُکھ میں شریک ہوُا اور جس نے اُس ساری تکلیف اور
ناکامی اور ذلّت کو اپنے اوپر سہا جس کا سہنا کسی طرح اُس پر واجب نہ
تھا۔ اور اگر یہ بات الٰہی محبّت کے خلاف ایک دلیل گردانی جائے تو بہت
صحیح معلوم ہو۔ مگر اُس نے اپنی اُس حالت ہی سے جو دُکھ اور عاجزی
میں غرق تھی یہ بات ہم پر ثابت کر دی کہ اُس کی وہ محبّت جس کے باعث
سے اُس نے اپنے آپ کو قُربان کر دیا خدا ہی کی محبّت تھی اور کسی
دوسرے کی نہ تھی۔ اور پھر جب وہ تیسرے روز مُردوں میں سے جی اُٹھا

تو اُس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ خدا کی محبّت نے دُکھ کے ذریعے اور
دُکھ پر فتح پائی۔ اب کسی آدمی کو یہ ضرور نہیں کہ وہ دُکھ اور مصیبت سے
جو مقصود ہے اُس کی کیفیت صاف اور عقلی طرح سے بیان کرے اور
یہ سمجھا جائے کہ خدا نے دُنیا میں دُکھ اور مصیبت کو کیوں رہنے دیا
ہے۔ یہ امر ہمیشہ ایسی ہی بات رہے گا جو انسان کی سمجھ میں کبھی نہ
آئیگی۔ مگر اس راز کی وجہ گو کوئی نہ بتا سکے پھر بھی مسیح کے دکھوں کا
حال جان کر اب اس بات کا سبب معلوم ہو جانے کی نسبت ایک بہتر
بات انسان پر کھُل گئی۔ یعنی اب ہم کو ایسے واقعات کی خبر مل گئی ہے
جن کے ذریعے سے دُنیا کے دُکھ اور مصیبت کا علاج ہونے بھی لگا اور
آئندہ ہونے والا بھی ہے۔ چنانچہ اگر یسُوع ناصری درحقیقت خدا کا بیٹا
ہے اور انسان بنا اور مرنے کے بعد مُردوں میں سے پھر جی اُٹھا تو اس
سے یہ بات سب کو بالکل تحقیق اور ظاہر معلوم ہو گئی کہ اوّل تو خدا بیشک
ایک محبّت کرنے والا باپ ہے۔ اور دوم کہ یہ سارے دُکھ اور ناکامی کے
وسیلے سے بھی خدا کا مقصد ہمیشہ اس طرح نکلتا رہیگا کہ جو نتیجہ پیدا ہو اس
سے اُس کا مطلب اور ارادہ بخوبی بر آئے جیسا کہ مسیح کی زندگی سے بر آیا۔
کہ اُس کے گو مارے جانے سے تو ظاہرا ایسا معلوم ہوُا کہ گویا خدا کا مقصد
اُس سے پورا نہ ہوُا لیکن جب وہ تیسرے روز مُردوں میں سے جی اُٹھا
اس سے اُس کا ایسا صاحب قدرت ہونا ثابت ہو گیا کہ وہ بادشاہوں
کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ ہمارا یہی مطلب تھا جب ہم
نے پہلے بیان کیا کہ گو دُنیا دُکھ اور مصیبت سے بھری ہوئی ہے پھر بھی ہم
خدا کو اپنا باپ یقیناً اور بے کھٹکے مان سکتے ہیں مگر اُسی حالت میں جبکہ ہم

یہ بھی یقین کر لیں کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے اور مرنے کے بعد پھر جی اُٹھا ہے
اب یہ بات بھی تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ خدا کی الوہیت یعنی باپ ہونا
مسیحی دین کا مسئلہ کس لئے قرار دیا ہے۔ اب ہم مختصر طور پر قطعی اس بات
کا بیان کر سکتے ہیں کہ سارے مسیحی مسئلوں کی بنیاد کیا ہے۔ مسیحی مسائل وہ
حقیقتیں ہیں جنہیں اُس شخص کو ماننا لازم ہے جو مسیح کی زندگی کی برکات
میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ اور اگر وہ اس ایمان اور اُمید اور محبّت
میں شریک ہونا چاہتا ہے جس کو مسیح نے قائم کیا ہے تو اُن حقیقتوں
کا ایمان اُس کے دل میں ہونا شرط ہے۔ اس ایمان اور امید اور اس
مسیحی زندگی کی بنیاد وہ سچّی باتیں ہیں جو یسوع مسیح نے اپنے نمونے اور
اپنی تعلیم کے وسیلے سے انسان پر ظاہر اور ثابت کیں۔ یہ مسیحی زندگی مع
اُن حقیقتوں کے جن پر وہ مبنی ہے مسیح نے اپنے رسولوں کے سپرد کی۔
اور اُن رسولوں کی وساطت سے اُس جماعت کو تفویض کی جو کلیسیا کہلاتی
ہے اور یہ مسیحی کلیسیا آخر تک دُنیا میں مسیح کی قائم مقام رہیگی۔ غرض مسیحی
مذہب کے مسئلے محض اُن حقیقتوں کا بیان ہیں جو مسیحی زندگی کی عین
بنیاد ہیں ✢

ان کی صداقت کے بارے میں ہم ایک بات تو یہ پیش کرتے ہیں کہ
قدیم زمانے کا اور نیز زمانۂ حال کا تجربہ دیکھا جائے۔ یعنی مسیحی مذہب کے
شروع وقت سے لیکر اب تک جس قسم کی زندگی کہ اُن لوگوں نے گزاری
جو ان مسئلوں یا حقیقتوں کو دل سے مانتے ہیں اُس پر نظر کرنی چاہیئے۔
ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اس پر توجّہ کریں اور دیکھیں کہ جن لوگوں کا دلی
اعتقاد ان باتوں پر رہا ہے اُن کی زندگی کیسی دلی اطمینان کے ساتھ اور

کیسی استقلال اور امید اور محبّت کے ساتھ گزری ہے۔ کیا ایسا خوش آئند
اور مستقل نتیجہ کسی اَور وجہ سے بھی پیدا ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ اُن سچے
مسیحی مرد اور عورتوں کو انسان کی زندگی کا جو اصل بھید ہے وہ معلوم ہو گیا
ہے اور اُن کو یہ شریفانہ زندگی گزارنے کی قابلیت اس لئے حاصل ہوئی
کہ ان کو وہ حق باتیں جو حیات جاودانی سے متعلّق ہیں معلوم ہو گئی ہیں۔ ایک
تو ہم ان اصولوں کی صداقت میں یہ امر پیش کرتے ہیں جو ہم نے ابھی بیان
کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ تاریخ پر بھی غور کیا جائے۔ یعنی مسیح کی تاریخ
پر جو انجیلوں میں درج ہے کہ وہ کیسا شخص تھا۔ اُس نے اپنے بارے
میں کیا دعوے کیا اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ کیسی تکلیفیں اُٹھائیں لوگوں
کو کیا تعلیم دی کس طرح مر گیا اور پھر زندہ ہو گیا او رہمیشہ سلطنت کرتا ہے۔
اور انجیلوں کے سوا رسولوں کے اعمال اور خطوں کو بھی ملاحظہ کیا جائے
کہ مسیح کے جو اول شاگرد تھے اُن کی رائے اُس کے بارے میں کیا تھی۔
ہم کو یقین ہے کہ ان نوشتوں کو صحیح ماننے اور جو تاریخی احوال اُن میں
درج ہیں اُن کو معتبر سمجھنے کی وجہ بہت معقول ہے۔ اور یہ بھی یقین ہے کہ
جو شخص اُن کا مطالعہ ایسی نظر انصاف کے ساتھ کریگا جیسا کہ وہ اَور معمولی
تاریخ کا کرتا ہے تو اُس کا فیصلہ بھی اُن کے حق میں یہی ہوگا۔ مگر فی الحال
ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ مسیحی مسئلوں کی صداقت ثابت کریں۔ بلکہ صرف
یہ کہ اُن کا بیان اور تشریح کریں۔ پس اب ہم اس بات کی طرف توجّہ کرتے
ہیں کہ اپنے مذہب کے مسئلوں کی تشریح جس قدر ہم سے ہو سکتی ہے کریں
اور ناظرین پر یہ بات ظاہر کریں کہ ان مسئلوں کو عام انسانی زندگی سے
کس قدر خاص تعلّق ہے ✢

چوتھا باب

ثالوث اقدس کے بارے میں گفتگو

ایک روز اتوار کو میں باہر ہوا خوری کر رہا تھا کہ میرا ایک دوست بھی مل گیا جس کا نام سادہ مزاج تھا۔ پھر ہم دونو مل کر چلے۔ راہ میں اُس نے مجھسے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم ثالوث اقدس کے بارے پر ایک مضمون لکھنے کی تیاری کر رہے ہو۔ اگر تم یہ مضمون اس طرح لکھو کہ مجھ جیسے شخص کی عقل میں بھی یہ مسئلہ یقین کے قابل ہو جائے تو میں سمجھونگا کہ تم بڑے ہی دانا ہو۔ میں تو تثلیث کی عید کے اتوار کے دن گرجا گیا اور وہاں جو بزرگ پادری صاحب بیدار مغز نصیحت کرنے والے تھے اُن کا وعظ سُننے کو میرا جی چاہتا تھا۔ لیکن اُن کے وعظ کی اب تک نوبت نہ پہنچی تھی کہ عقیدہ اتھناسیُس کو سُن کر میری طبیعت اُکھڑ گئی۔ کیونکہ اُس عقیدے میں سے جب میں نے یہ مسئلہ سُنا کہ باپ خدا ہے۔ بیٹا خدا ہے۔ رُوح القُدس خدا ہے۔ اور تاہم تین خدا نہیں ہیں بلکہ صرف ایک خدا ہے تو مجھے یہ بات لغو اور بے معنی سی معلوم ہوئی بلکہ سیدھی سیدھی معمولی حساب کی باتوں کے بھی برخلاف۔ اس لئے پچھلی اتوار کو میں یونی ٹیرین فرقے کے مسیحیوں کے گرجا گھر میں گیا جہاں خدا کی ذات میں صرف وحدت ہی کو مانتے ہیں اور وہاں میں نے اس مسئلے پر ایک وعظ سُنا کہ خدا کُل جنس انسان کا باپ ہے۔ اس وعظ میں مجھے ایسا

معلوم ہؤا کہ کسی نے مذہب کی ایسی ایسی باتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں جو روزمرّہ دُنیا میں کارآمد ہوتی ہیں۔ کیا ضرور ہے کہ ہم اس فرقے کے لوگوں کی طرح خدا کو واحد اور اپنا خالق و والد ماننے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے سوا تثلیث کے مسئلے کا طرّہ بھی اسکے ساتھ لگا دیں ایسا کرنا گویا انسان کی عقل عامّہ کی بے عزّتی کرنا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ بھلا اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہم نے اس عقیدے پر کہ خدا ایک ہے اور وہ ہمارا خالق اور باپ ہے کچھ زیادہ نہیں لیا تو کیا؟ تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں نے مسیحی مسئلوں کے بارے میں تمہارے بعض مضمون پڑھے ہیں کیا تم نے میرا وہ مضمون بھی پڑھا ہے جو میں نے خدا کے باپ ہونے میں لکھا ہے؟

اس کے جواب میں اُس نے کہا ہاں میں نے وہ پڑھا تو ہے مگر ان مذہبی بحث مباحثوں کے بارے میں میرا دل ایک چھلنی کی مانند ہے جو کچھ میں پڑھتا ہوں وہ میرے دماغ میں نہیں ٹِکتا۔ مگر پھر بھی اتنا تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم نے اُس مضمون میں یہ لکھا ہے کہ دُنیا میں چونکہ اتنی بُرائی اور مصیبت بھری ہوئی ہے تو بھی آدمیوں کو اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ خدا ہم سب کا باپ ہے یعنی اُس کو ہم سے محبّت ہے۔ اگر یہ بات یسُوع مسیح کے وسیلے سے خدا کی طرف سے ہم پر منکشف نہ ہوتی۔ میں اس کو کسی قدر سچ بھی مانتا ہوں۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ میری بیوی ہمارے ایک بیچارے پڑوسی کو تسلّی دلاسا دینے کی بڑی کوشش کر رہی ہے۔ کیونکہ اُسکی بیوی اور پہلوٹھا بچہّ ابھی چند روز ہوئے کہ گُزر گئے ہیں۔ اُس نے اُس بیچارے مایُوس و دل شکستہ کو خدا کی محبّت کا یقین دلا کر تسکین دینی چاہی۔ مگر ساتھ

ہی اُس نے یہ سچّی بات بھی کہی کہ اگر یہ مرد غمناک ہمیں محبّت الٰہی کا یقین نہ دلاتا تو ایسے سخت قلق کی حالت میں اس محبّت کا ذکر کیونکر ہوسکتا۔ یہ سُن کر میں نے کہا کہ خیر اگر تم اس بات کو مان لینا چاہتے ہو کہ مسیح کا محبّت کرنا گویا خدا کا محبّت کرنا ہے۔ یعنی مسیح درحقیقت آسمانی باپ کا بیٹا ہے اور اس لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ ہماری انسانی سرشت میں آکر اُس کی الٰہی خصلت کو ہم پر ظاہر کرے تو اب مجھے بہت زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تثلیث کے مسئلے پر اب تمہیں شک لانے کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ سُنکر اُس نے کہا کہ خیر بالفعل میں اس بات کو فرضی طور پر مان لیتا ہوں۔ لیکن کیا اس کا نتیجہ وہاں تک پہنچنے والا ہے جہاں تک تم خیال کر رہے ہو ✣

میں نے کہا بیشک تم خود دیکھ ہی لو گے۔ کیونکہ جو کلام ہمارے خداوند مسیح نے اس باب میں اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ اُس کو باپ سے جس نے اُسے دُنیا میں بھیجا ہے کیا تعلّق ہے اور نیز رُوح القُدس سے جسے کہ باپ اور وہ خود دُنیا میں اُس کے کام کی تکمیل کے لئے بھیجنے والے تھے اسے کیا تعلّق ہے۔ اس سارے کلام کے لُبّ لباب کی جو شکل تقریر کے سانچے میں ڈھالی گئی ہے وہی مسئلۂ تثلیث ہے۔ اُس کی یہ نظیر لو کہ مثلاً تم کو پہاڑوں پر چڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ پس تم یہ بات جانتے ہوگے کہ دُور سے دیکھو تو پہاڑ کی سطح ہموار اور ایک سی معلوم ہوتی ہے لیکن جس قدر تم اُس کے قریب جاؤگے اُسی قدر وہی سطح ٹوٹی پھوٹی اونچی نیچی پیچ در پیچ نظر آئیگی۔ اسی طرح جس قدر ہم خدا کے قریب ہوتے جاتے ہیں بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ جس قدر خدا ہمارے قریب آتا جاتا

ہے اُسی قدر اُس کی ذات میں جو امتیاز ہیں وہ ہم کو زیادہ واضح معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ جب پُرانے عہد کے زمانے میں انسان خدا کو گویا دُور سے دیکھ رہا تھا تو خدا اُس کو صرف ایک اور اکیلا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب اپنے بیٹے اور رُوح القدس کے دُنیا میں آنے کے باعث پہلے کی نسبت ہمارے قریب آگیا تو ہم کو زیادہ صاف طرح نظر آنے لگا۔ اور معلوم ہؤا کہ ایک خدائے واحد ہی کی ذات میں وحدت اور کثرت دونو موجود ہیں یعنی اُس اکیلی ذات باری میں ایک تو باپ ہے جو بھیجنے والا ہے اور ایک بیٹا ہے جو اُس کو ہم انسانوں پر ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اور ایک رُوح القدس ہے جو اُس سے نکلتا ہے تاکہ زندگی بخشے۔ پس یہ وجہ ہے کہ پُرانے عہد نامے میں جو خدا ایک نام تھا وہ نئے عہد نامے میں باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کا نام ہوگیا۔ یہ بات صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ خدا ہمارے زیادہ قریب آگیا ہے اور اس لئے ہم اُن تعلقات یا رشتوں کو جو اُس کی ذات یا ہستی سے وابستہ ہیں اب زیادہ صفائی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اسی بات کو ہم دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب رسول مسیح کے باعث سے خدا کو زیادہ معرفت یا ایمان کے ساتھ جان گئے تو اُن کو اپنے تجربے سے باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کا یقین یا ایمان پیدا ہوگیا۔ وہ خدا کا باپ ہونا اس طرح جان گئے۔ تھے کہ اوّل تو بیٹے کی صحبت میں رہتے تھے۔ دوم یہ کہ رُوح القدس جو اُن پر آسمان پر سے نازل ہؤا تھا اُس کی قوت سے اُن کو یہ علم پیدا ہؤا۔ اس کے بعد کلیسیا نے صرف اتنا کیا کہ رسولوں کے الہام کو ایک مختصر کلمے کی صورت میں کر لیا جس سے خدا کی ذات کے بارے میں جو حق

بات اُس کو رسولوں سے حاصل ہوئی تھی وہ واضح اور محفوظ ہو گئی ہے۔
اس پر میرے دوست نے مجھ سے یہ کہا کہ جو مسئلہ مہمل معلوم ہو وہ کس طرح الہامی پیغام ہو سکتا ہے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تین اقنوم ایک واحد خدا ہوں کیونکہ اگر باپ خدا ہے اور بیٹا خدا ہے اور رُوح القدس خدا ہے تو جمع کے سیدھے قاعدے کے موافق تین خدا ہوئے نہ کہ ایک۔ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ میری رائے میں کوئی سمجھ دار شخص تثلیث کے مسئلے کو اس وجہ پر کبھی رد نہ کریگا۔ بہرحال پروفیسر ہکسلے جیسا عالم اور ذی عقل شخص تو تم کو کبھی اس کی اجازت نہ دیگا۔ کیونکہ اُس نے ایک بج کی چٹھی میں یہی بات لکھی تھی اور اپنی اس رائے کا حوالہ دینے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ میں نے اُس کے الفاظ کو حفظ یاد کر لیا ہے۔ کیونکہ مجھ کو خیال تھا کہ یہ اکثر کام آئینگے۔ اُس کی رائے اس باب میں یہ ہے کہ مجھ کو مسیحی مذہب کے تینوں عقیدوں کے سارے دعووں پر عقل کے اعتبار سے ذرا بھی اعتراض نہیں۔ مسیحی کلیسیا کے عقیدوں میں جو باتیں عقل میں نہ آنے والی ہیں وہ اُن باتوں کے مقابلے میں جو عالم موجودات میں جو سمجھ سے باہر ہیں بہت آسان ہیں۔ تثلیث کا مسئلہ اُن اختلافات سے جو عالم موجودات میں پائے جاتے ہیں کچھ زیادہ بعید القیاس نہیں۔ غرض میرے عزیز دوست جو کچھ کہ علوم طبعیات کے فاضلوں نے مثلاً رقیق سیّال مادّے کے بارے میں لکھا ہے جس کا نام ایتھر ہے اور جو دُنیا میں روشنی اور گرمی کی آمدورفت کا وسیلہ ہے۔ اگر تم اُس کو پڑھو تو مجھے یقین ہے کہ اُس کو بھی سمجھ سے باہر ہی بتاؤ گے +

طبعیات کے عالم کہتے ہیں کہ ایتھر تمام عالم میں پھیل رہی ہے گو وہ

ہر جگہ ہے مگر کہیں بھی دریافت نہیں ہو سکتی۔ جب اس کی خاصیتوں کو دیکھتے ہیں تو وہ منجمد بھی ہے اور ساتھ ہی اس کے سیّال بھی۔ یہ بات بالکل عقل میں نہیں آتی اور ہمارے خیال کی طاقت جو محدود ہے اُس سے باہر ہے۔ مگر تاہم ہے وہ ایک سچّی بات اور دُنیا کے سارے عالمان طبعیات اس کو سچ جانتے اور مانتے ہیں +

ایک اور مثال سنو۔ کیا تم نے کبھی اپنے آپے کے باب میں متواتر غور و فکر کیا کہ اس میں قوت ارادی قوت عقلی اور قوت احساس تینوں ہی شامل ہیں مگر کیا تم نے یہ نہیں معلوم کیا کہ بارہا تمہارے محسوسات تمہاری عقل اور ارادے کے برخلاف ہوئے اور اسی طرح تمہاری عقل تمہارے محسوسات اور ارادوں کے برعکس ہوئے۔ غرض یہ تینوں چیزیں جو تمہارا نفس باطنی ہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا جدا بھی ہیں اور پھر بھی تینوں تمہاری طبیعت یا آپے کے جُزو بھی ہیں۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ تین علٰحدہ علٰحدہ شے ہیں لیکن باوجود اس کے تمہارا آپا پھر بھی ایک واحد شے ہے۔ کیونکہ بے شک و شبہ تم ایک شخص ہو نہ کہ کئی۔ غرض اگر تم اپنی ذات ہی کی اس کیفیت پر غور و فکر کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ جو شے ایک واحد ہے وہی تین بھی ہو سکتی ہے۔ اور جو تین ہیں وہی ایک بھی۔
اس کے جواب میں میرے دوست نے کہا کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ہکسلے صاحب جیسے عالم شخص مجھ سے یہ کہینگے کہ ایک واحد خدا میں تین اقانیم کا ہونا ہم اپنی عقل و فہم کے ساتھ یقین کر سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہکسلے صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عالم موجودات میں جو ابتدائی عنصر ہیں اُن کی کیفیت انسان کی عقل میں نہیں آتی اور انسان کی زبان اُن کا

بیان کرنے سے قاصر ہے بلکہ اُن کی عقل بھی جو باتیں قدرت کے بارے
میں مان لیتی ہے اُن کے تصوّر باندھنے میں بار ہا عاجز رہ جاتی ہے۔
مسیحی کلیسیا نے جب مسیح کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دل سے اُس
پر غور کیا تو خدا کی ذات کے بارے میں چار و ناچار اُسے یہ ماننا پڑا
کہ واحد خدا کی یگانگت میں باپ اور بیٹا اور رُوح القدس شامل ہیں
پس کلیسیا نے بتدریج بڑے تامّل اور سوچ بچار کے بعد خدا کی ذات کی
اس حقیقت سریّہ کو ادا کرنے کے لئے جو بہتر سے بہتر الفاظ اُس کو ملے
اُنہیں عقیدے کی شکل میں ڈالا ❖

اس پر اُس نے کہا بھلا اور نہیں تو تم یہ تو ضرور تسلیم کرو گے کہ تثلیث
کا مسئلہ اگر درحقیقت انسان کو الہام کے ذریعے سے پہنچا ہے تو بھی وہ ایسی
حقیقت ہے جو ذرا بھی کار آمد نہیں۔ ہماری زندگی سے بھلا اس کا کیا
تعلق ہے۔ پس ایسی شے کو تو جہاں تک ہو سکے کیوں نہ بالائے طاق
ہی رکھا جائے۔ میں نے اُس کو جواب دیا کہ نہیں میں اس بات کو ہرگز
نہیں مانتا بلکہ میری رائے اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ جب میں
ثالوث کو جانتا ہوں تب ہی تو اس قابل ہوتا ہوں کہ خدا کا کچھ خیال کر
سکوں اور اُس کی عبادت و پرستش کسی قدر عقل اور اطمینان کے ساتھ
بجا لا سکوں۔ اُس نے کہا کہ تمہارے بیان میں تو اجتماع ضدّین سا
معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اجتماع ضدّین اس میں ہو یا نہ ہو
بہرصورت یہی صحیح ہے۔ تمہارا دوست جو فرقہ موحّدین میں ہے وہ ضرور کہیگا
کہ تم اُسی ایک ازلی و ابدی خدا پر ایمان رکھو اور اُسی کی پرستش کرو
جو ایک ایسا وجود واحد ہے کہ اُس کی ذات میں اقانیم کا کوئی امتیاز نہیں

تمہارے موحد دوست کا یہ ایمان ہو تو ہو مگر میں تو ایسے خدا کو اپنی ذات
خاص میں زندگی اور محبّت رکھنے والا خدا کسی طرح خیال نہیں کر سکتا
موحدون کا خدا تو موجودات کا صرف اول باعث ہوتا ہے یا دُنیا کی
حکومت کا اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے مگر اُس کی ہستی خاص میں نہ تو زندگی پائی
جاتی ہے نہ محبّت ❖

اُس نے پوچھا کہ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ میں نے پوچھا کہ
اس بات کو تم مانتے ہو یا نہیں کہ اس سے پیشتر کہ کوئی چیز پیدا ہوئی
خدا زندگی اور محبّت کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے جواب میں اُس نے
کہا کہ ہاں میری دانست میں جتنے آدمی خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس
قدر تو اُس کے بارے میں ضرور تسلیم کرتے ہونگے ❖

جب میرے دوست نے اس امر کو مان لیا تو میں نے اُس سے پوچھا
کہ بھلا پھر یہ تو بتاؤ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ زندگی موجود ہو اور کوئی
شے اُس سے پیدا نہ ہو یا محبّت تو ہو مگر کوئی ایسا شخص نہ ہو جس سے
محبّت کی جائے۔ کیونکہ اگر خدا ازل سے زندہ خدا ہے تو ضرور ہے کہ ازل
ہی سے کچھ نہ کچھ اُس سے پیدا ہوا اور اسی طرح اگر وہ ازل سے محبّت
رکھنے والا ہے تو ازل ہی سے کوئی ایسی شے بھی ہونی چاہیئے جس سے
وہ محبّت رکھتا ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ ہم ذات باری کی تہ تک تو نہیں
پہنچ سکتے پھر بھی خدا کی ذات میں ثالوث کا یقین کریں تو اتنا پہچان سکتے
ہیں کہ خدا ازل سے زندہ اور محبّت کرنے والا ہے کیونکہ باپ ہمیشہ سے
اپنے کلام یا اپنی صورت یا اپنے بیٹے میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہا ہے
اور باپ اور بیٹا زندگی کی اُس رُوح میں باہم شراکت رکھتے تھے جو

غرض خدا بے شک واحد ہے مگر اُس کی اس وحدت میں پیدا کرنا اور شراکت یا صحبت کا رکھنا بھی داخل ہے۔ صرف اس صورت میں خدا کی ذات واحد میں زندگی اور محبّت دونو شامل ہیں۔ خدا کی ذات کو ہم بھی عقل سے باہر مانتے ہیں گو وہ ایسی دقیق ذات ہے کہ ہماری عقل اُس پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ تاہم اُس میں کوئی ایسی شے بھی ہے جو ہماری سمجھ اور عقل میں آ بھی سکتی ہے۔ بلکہ کوئی ایسی شے ہے کہ ہماری بعض صفات سے مشابہ ہے ہم انسانوں میں بھی زندگی موجود ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اندر اس زندگی کا ظہور کیونکر ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کی اصلیّت یا ظہور صرف اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو کلام یا کام یا اپنی پیداوار سے ظاہر کرتے ہیں اور اس سے بھی کہ ہم کسی ایسی شے کے بارے میں جو ہماری نظر یا طبیعت کے سامنے ہے خیال دوڑا سکتے ہیں۔ اور بعض اَور اشیا ایسی ہیں کہ ہم اُن پر اپنی محبّت لگا سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ زندگی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ کچھ پھل پیدا کرے اور اَوروں کے ساتھ صحبت و اختلاط رکھے۔ اگر اس میں یہ باتیں نہیں تو وہ زندگی ہی نہیں۔ ہم انسان جو اَور انسانوں کی صحبت میں رہتے اور اُن کے ساتھ اختلاط وارتباط رکھتے ہیں اور ایسے وجود ہیں کہ کام کرنے والے اور پھل پیدا کرنے والے ہیں۔ یہی وجہ تو ہے کہ ہماری نسبت کلام الٰہی میں یہ لکھا گیا ہے کہ ہم خدا کی شکل پر بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ خدا بھی اپنی ذات میں ایسا ہے کہ وہ پیدا کرنے والا اور صحبت میں رہنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی ابدی ہستی کی صحبت یا شراکت میں باپ بیٹا اور رُوح

القدس شامل اور داخل ہیں۔ یعنی خدا محبّت ہے۔ پھر ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کی ذات کا صاف طرح سے حال بیان کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ اُس کی ذات ایسی گہری سی ہے کہ ہم اُس کی تہاہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ ہمارے لئے بیشتر یہی بات شایان ہے کہ بہت کچھ تو خاموشی اختیار کر کے اُس کی پرستش کیا کریں۔ مگر اس قدر ہم بے شک کہہ سکتے ہیں کہ ایک واحد خدا ثالوث کی حالت میں ایک ایسی زار آمیز شے ہے جس میں گرمجوشی اور زندگی اور اطمینان بھرا ہوا ہے۔ موحّدوں کے عقیدے کے موافق جو خدا کی ذات کا بھید ہے اُس میں عقل کچھ کام نہیں دیتی یہ مسئلہ اُن کے خیال سے انسان کی زندگی کو تاریکی سے نہیں نکال سکتا۔ اس سے ہم کو اس بات کے سمجھنے میں کچھ مدد نہیں ملتی کہ انسان کی زندگی جو باہمی صحبت اور فوائد کے لئے ہے خدا کی ازلی زندگی کی شکل پر کس طرح بنائی گئی ہے۔ میری اس تقریر کو سُن کر میرے دوست نے کہا کہ میں تو ہمیشہ سے یہ خیال کرتا رہا ہوں کہ انسان کی صرف رُوح یا عقل ایسی ہے جو خدا کی شکل پر بنائی گئی ہے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ صحیح نہیں بلکہ مجموعی انسانیت یعنی انسان اپنی صحبتی یا مجلسی حالت میں خواہ اُس کو ایک خاندان کا رُکن سمجھو خواہ سلطنت کا ایک جزو خیال کرو خواہ کلیسیا کا ایک ممبر شمار کرو اُس کی یہ ساری زندگی خدا کی زندگی کا ایک عکس ہے۔ خدا کی شکل پر وہی بنائی گئی ہے۔ اس کو سُن کر وہ سکوت میں رہ گیا جب وہ جانے لگا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ میری تقریر سے اب تمہاری سمجھ میں یہ بات آ گئی یا نہیں کہ تثلیث کے مسئلے میں انسان کی زندگی کے

متعلق بڑے بڑے مطالب شامل ہیں؟ یہ سُن کر اُس نے کہا کہ مجھے یہ
معلوم نہیں لیکن بات یہ ہے کہ ان باتوں سے عقل حیران سی ہو جاتی
ہے۔ الٰہیات کی دلائل کے لئے میرے دماغ میں گنجائش نہیں۔ لیکن
میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ میں اب انجیل پڑھونگا اور جو باتیں مسیح
نے اپنے بارے میں اور باپ اور رُوح القدس کی بابت کہی ہیں اُن
پر غور کرونگا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں اس وقت تمہاری تقریر سُنکر
قائل ہو گیا +

مجھے اس وقت اسی پر قناعت کرنا پڑا اور اس خیال سے کہ میری
ہر تقریر کی نسبت مطالعہ انجیل کا غالباً اُس کو خدا کی عبادت کی طرف
زیادہ راغب کریگا۔ ورحق بھی ہے کہ اُس کی پرستش ہی اُسکی معرفت
کا بڑا وسیلہ ہے۔ پھر میں نے اپنے دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ جو گفتگو
مسئلہ تثلیث کے بارے میں میں نے اپنے دوست سے کی ہے وہیں
اس کتاب کے ناظرین کے لئے تحریر کروں تاکہ وہ اپنے دل میں
اس بات کا تصفیہ کریں کہ میرے یہ دعوے درحقیقت درست ہیں یا
نہیں۔ اوّل یہ کہ مسئلہ تثلیث میں صرف اتنی بات ہے کہ جب مسیح دُنیا
میں آیا اور رُوح القدس نازل ہوئے[لہ] اور اس طریق سے خدا انسانوں
کے قریب آگیا۔ اور اس صورت سے خدا کا حال زیادہ تر ہمیں منکشف
ہو گیا تو کلیسیا نے اس نئی کیفیت کو انسانی الفاظ میں ادا کیا۔ دوم یہ

لہ اس امر کے ثبوت میں مقدس متی رسول کی انجیل کے گیارھویں باب کی ستائیسویں
آئت اور بارھویں باب کی بتیسویں آئت میں اور اٹھائیسویں باب کی اُنیسویں آئت اور
مقدس یوحنّا رسول کے چودھویں باب کو پڑھنا چاہیئے +

بات کہ خدا اپنی ذات میں ازل سے پیدا کرنے والا صحبت رکھنے والا
اور کام کرنے والا ہے اور اس مسئلے سے ہم کو ان دونو باتوں میں بڑی
مدد ملتی ہے کہ ہم خدا کا خیال اور اُس کی پرستش دونو عقل اور سمجھ کے
ساتھ کریں اور اس سے ہم یہ بھی جان سکتے ہیں کہ انسان کی زندگی خدا
کی زندگی کی شکل پر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ کام کرنے
پھل پیدا کرنے اور سوشل خوبیوں میں ہمیشہ ترقی کرتی رہے +

پانچواں باب

الہام یا خدا کا کلام

میں نے اس سے پہلے بابوں میں بھی مسیحی عقیدے کے ایک حصّے
کا حال بیان کیا ہے اور اب میں اسی مضمون کے آگے کا حصّہ لیکر
بیان کرتا ہوں۔ اور وجہ اس کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ اس سے
انسان کو دنیا میں چلنے کے لئے روشنی یا ہدائت ملتی ہے اور وہ اس
سے ایسی قوت بھی حاصل کرتا ہے کہ گناہ کی غلامی سے اپنے تئیں آزاد
کرے۔ مگر مسیحی عقیدے میں انسان کو روشنی اور قوت دینے کی قابلیت
صرف اُسی صورت میں پائی جائیگی جبکہ آدمی اُس کو خدا کا کلام جان کر
قبول کرے اور یقین کرے کہ یہ وہی سچّا کلام ہے جسے خدا نے الہام کے
وسیلے سے انسان پر ظاہر کیا ہے اور صرف یہی ایک ایسا مذہب ہے
جو اُس گنہگار آدمی کو جو گناہ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے اُس کی قید سے

رہائی دے سکتا ہے۔ اس زمانے میں ایسے لوگ بہت ہیں جو اس کو
نہیں مانتے کہ کوئی مذہب ایسا ہو کہ خاص اُسی کو خدا نے الہام کے
ذریعے سے انسان پر ظاہر کیا ہو۔ ان کا قول یہ ہے کہ "دُنیا میں بہت
سے مذہب ہیں پس کیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ اُن میں سے صرف
ایک ہی سچا ہو اور باقی سب کے سب جھوٹے۔ ہم تو بے شک اس
بات کو مانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اُس ایک نام پر ایمان لاوے جو
انسانوں کو آسمان کے تلے بخشا گیا ہے جس کے وسیلے سے ہم نجات
پاسکیں تو اُس کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے بڑی جوان مردی اور
قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ تاہم ایک ایسا خیال ضرور ایک تنگدلی کے
مذہبی جوش کا دعوے ہے" *

یہ بات ہر شخص نے سنی ہو گی کہ بعض سیاح مسیحیوں کے مختلف فرقوں
کی عبادت میں بھی شریک ہوئے اور پھر اُنہوں نے محمدیوں اور ہندوؤں
اور بودھ مذہب کے لوگوں کی پرستشوں کو بھی دیکھا وہ اس قسم کی رائے
بیان کیا کرتے ہیں *

اس بات کو ہم نے مان لیا کہ تنگ خیالات کے اور مذہبی جوش والے
مسیحی دُنیا میں پہلے بھی ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں (اور یہ بھی
یاد رہے کہ دُنیا میں پہلے بھی ان بُرائیوں کے سوا اور بُرائیاں بھی
ہیں) مگر یہ خیال کہ ایک ہی مذہب سچا ہے اپنی ذات سے تنگدلی
کا خیال نہیں بلکہ یہ خیال اُن لوگوں کے دلوں میں بھی ہو سکتا ہے
جن کے خیال بہت وسیع اور جن کی عقل میں پوری آزادی ہے *

آؤ اب ہم ذرا اس امر کی بحث کریں۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ

بائبل کی تعلیم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ خدا کا ظہور ہر جگہ اور ہر شے
میں موجود ہے۔ عالمِ موجودات سوائے اس کے اور کیا ہے کہ خدا نے
اپنی قدرت اور اپنے انتظام اور اپنی خوب صورتی کو درجہ بدرجہ آشکارا
کیا ہے۔ رومیوں کے خط کے پہلے باب کی بیسویں آیت میں پولُس رسول
نے لکھا ہے کہ خدا کی اَن دیکھی صفتیں یعنی اُس کی ازلی قدرت اور
اُلوہیت دُنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعے
سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں۔ اور تقلید مسیح کے مصنف کا قول یہ ہے
کہ کوئی ایسی مخلوق نہیں خواہ وہ کیسی ہی ذرا سی ہو یا کیسی ہی عام
قسم کی ہو جس سے خدا کی مہر ہم پر ظاہر نہ ہوتی ہو۔ اس کے علاوہ
خدا نے نوع انسان کو پیدا کر کے اور بھی خصوصیت کے ساتھ اپنے
تئیں آشکارا کر دیا۔ کیونکہ جس قدر انسانوں میں زیادہ تر سچی انسانیت
ہوتی ہے اُسی قدر وہ راستبازی کے قوانین و قواعد کا زیادہ تر
پابند اپنے تئیں مانتے ہیں۔ اور جس قدر لوگ اپنی انسانیت سے
زیادہ واقف ہوتے ہیں اُسی قدر اُن کو یہ بات زیادہ تر معلوم ہوتی
ہے کہ ہر ایک مفرد رُوح کا مرتبہ فقط راستبازی کی پابندی پر
منحصر ہے۔ پس اس باعث سے ساری دنیا کے انسانوں کی کانشنس
یعنی ضمیر میں الٰہی راستبازی کا اظہار کم و بیش پایا جاتا ہے۔ اس بارے
میں ذرا ہم سُنیں کہ پولُس رسول رومیوں کے خط کے دوسرے باب
کی چودھویں اور پندرھویں آیتوں میں کیا فرمایا ہے۔ اُس کا قول یہ
ہے کہ جب غیر قوموں کے لوگ جن کے پاس خدا کی شریعت موجود
نہیں ہے۔ یعنی وہ بُت پرست لوگ جن کے پاس خدا کی کوئی ایسی

خاص شریعت موجود نہیں ہے جیسی کہ یہودیوں کو دی گئی تھی طبیعت
سے ایسے کام کرتے ہیں جو شریعت میں لکھی ہیں تو یہ لوگ. باوجودیکہ
شریعت اپنے پاس نہیں رکھتے۔ پھر بھی اپنے لئے آپ شریعت
ہیں کیونکہ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ شریعت کے احکام اُن کے دلوں کی
تختوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی تمیز اس بات کی گواہی دیتی ہے اور
اُن کی باہمی دلیلیں اور تقریریں ایک دوسرے کو یا تو ملزم ٹھیراتی
ہیں یا معذور رکھتے ہیں۔ غرض خدا اپنے تیئں تمام جہان میں کانشنس
یعنی تمیز کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا نے اپنے
آپ کو نبیوں کے وسیلے سے بھی ظاہر کیا ہے۔ یعنی بعض شخص ایسے
ہیں کہ وہ اَور شخصوں کی نسبت زیادہ تر خدا کی بعض سچّی باتوں کو اپنے
دلوں میں معلوم کرتے ہیں اور معلوم کر کے پھر اَوروں پر اُنکا اعلان
کرتے ہیں۔ اور جب اُن کے ہمجنسوں کی ضعیف کانشنس یعنی تمیز پر
اس اعلان کا اثر پیدا ہوتا ہے تو اس سے لوگ پہچانتے ہیں کہ
یہ روشنی یا علم الٰہی کے دینے والے ہیں اور اُن کی عزّت کرنی اور
اُن کی باتوں پر چلنا لازم ہے۔ اس طرح کی نبوّت کی رُوح غیر
قوموں اور بُت پرستوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً پارسیوں کے
بانی مذہب زردشت میں اور بُدھ مذہب کے مُوجد بُدھ یا (ساکھی
منی) میں اور یونانیوں کے مشہور شاعر ایس کلس میں۔ اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ پَولُس رسول اس نبوّت کی رُوح کا اِن لوگوں
میں ہونا تسلیم کرتا ہے کیونکہ وہ یونان کے مدینۃ الحکما یعنی شہر ایتھنز
کے لوگوں کے روبرو ایک بُت پرست شاعر کا قول نقل کرتا اور

جزیرہ کریٹ کے ایک شاعر کو خاص اُن کا نبی کہتا ہے[1]۔ مگر جو نبوّت
کی رُوح اور ساری قوموں میں روشنی کے ذرّوں کی مانند منتشر
تھی وہ قوم بنی اسرائیل میں ایک ایسی روشنی کی مانند تھی جو روزبروز
زیادہ آب وتاب کے ساتھ چمکتی جاتی ہے۔ بہت سے آدمی ایسے ہیں
کہ وہ اپنی رائے کے اعتبار سے سچّی قسم کے مسیحی نہیں ہیں مگر تاہم وہ
اس کے قائل ہیں کہ خدا نے یہ برکت قوم یہود ہی کو دی تھی کہ وہ اُس
کی پہچان اپنے دلوں میں اَور لوگوں کی نسبت زیادہ تر درجے کی حاصل
کریں۔ مسیحی کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں جو بہت سے مقدس گزرے
ہیں اُن میں سے ایک نے اس بارے میں یہ کہا ہے کہ یہودیوں میں
کُل انسانوں کے فائدے کے لئے معرفت الٰہی اور زندگی رُوحانی کا ایک
مدرسہ جاری تھا۔ خدا کی ذات کے زیادہ تر صاف اظہار کی یہ روشنی
جو حصّہ بحصّہ اور طرح بہ طرح (عبرانیوں باب ۱۔ آئت ۱) دی گئی تھی
آخرکار نہائت درجے اور کمالیت پر اُس وقت پہنچ گئی جبکہ یسُوع مسیح
جو حقیقی بیٹا خدا کا تھا مجسّم ہو کر آیا تاکہ جہان کا نُور ہو۔ خدا کی ذات کی
اس روشنی کا انسان پر چمکنا شروع سے آخر تک سارا ایک ہی سلسلہ
ہے یسوع مسیح جو کلمۃ اللّٰہ یعنی خدا کا کلام ہے۔ شروع سے لیکر ہر جگہ
اور ہر زمانے میں برابر کلام کرتا رہا ہے۔ وہ دُنیا میں آنے کو تھا
مگر اس سارے دراز سلسلے کے آخر میں وہ آتا ہی نہ رہا بلکہ آ چکا۔

[1] پولُس کا یہ قول رسولوں کے اعمال کے سترھویں باب کی اٹھائیسویں آئت
میں اور اُس کا خط جو طِطُس کے نام ہے اُس کے پہلے باب کی بارھویں آئت
میں درج ہے +

حقیقی نور چمک اُٹھا اور آگے کو وہ تمام زمانوں اور تمام قوموں اور تمام قسموں کے ہر شخص کو جو روشنی پانے کے لئے اُس کے پاس آئیگا روشن کر دیتا ہے ✣

جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کوئی تنگ خیالی کا عقیدہ نہیں ہے۔ مسیحی مذہب جو یسُوع مسیح کا مذہب ہے خدا کی طرف کی روشنی ہے۔ اُس میں خدا نے اپنے آپ کو آخری مرتبہ ظاہر کیا ہے اور اور مذہبوں کو یہودیوں کے ہوں یا غیر قوموں کے سب کو کنارے رکھ کر آپ اُن کی جگہ قائم ہوتا ہے۔ اس طرح خدا کی حقیقتوں کے جو جو جزو ہر ایک مذہب میں داخل ہیں اُن کو خارج نہیں کرتا بلکہ اپنے میں شامل کرتا ہے۔ زرتُشت کے مذہب میں بھی کچھ الٰہی روشنی تھی۔ بدھ مذہب میں بھی کچھ حقّانی نور تھا۔ یونانیوں کے مذہب میں بھی کسی قدر روشنی تھی مگر ان سب مذہبوں کی روشنی مسیحی مذہب کے دائرے میں آ گئی ہے۔ جو شخص پکّا مسیحی ہے وہ پکّا بُدھ ہی ہے پکّا یہودی ہی ہے پکّا مسلمان ہی ہے اور پکّا زردشتی ہی ہے۔ یعنی اس میں وہ ساری سچّائی کی باتیں اور نیکیاں موجود ہیں جو اُن تمام مذہبوں کے پیرؤں میں ہونی چاہئیں۔ مگر یہ سب ایک اعلےٰ و کامل نور کی روشنی میں آ کر پاک صاف ہوئیں اور ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ غرض جیسا کہ میں نے اُوپر بیان کیا ہے مسیحی مذہب اور سارے مذہبوں کو ایک طرف کر کے آپ اس طرح اور اس وجہ سے اُن سب کی جگہ قائم ہو گیا ہے کہ وہ ساری سچّائی کے اجزا جو اُن مختلف مذہبوں میں ہیں اپنے میں شامل

ؔ انجیل یوحنا باب ۱۔ آیت ۱ سے ۸ تک ✣

رکھنے کی وجہ سے مکمل مذہب ٹھہرتا ہے۔ اس کے ثبوت میں میں یہ کہتا ہوں کہ آپ اَور مذہبوں میں سے کسی مذہب میں رُوحانی روشنی یا رُوحانی قوت کی کوئی ایسی بات بتائیں جو مسیحی مذہب میں پائی نہ جاتی ہو۔ نہ مجھے آپ کوئی ایسا مذہب بتا سکتے ہیں جو الٰہی روشنی کی کمالیت میں مسیحی مذہب کی برابری کر سکتا ہو۔ مسیحی مذہب کامل یا پورا غائت درجے کا مذہب ہے اور سارے مذہبوں میں جو حقائق الٰہی کے اجزا موجود ہیں وہ اس روشنی کی شعاعیں ہیں جس کا چشمہ اور مرکز یسُوع مسیح ہمارا خداوند ہے اور اُس کی ذات میں وہ روشنی چمکتی ہے پورے طور سے ✣

خدا کی پہچان کا یہ سلسلہ وار اظہار سارا اسی طریق پر عمل میں آیا ہے کہ جو طریق اَور باتوں میں بھی انسان کے تجربے کے موافق ہے کیونکہ دنیا میں ساری اچھی اچھی باتیں اول اول کسی ایسے مقام یا وقت پر واقع ہوتی ہیں جہاں اور جب اُن کے ظاہر ہونے کے اسباب موافق ہوں۔ وہ اپنے مرکزی مقام سے قدرتی اور مصنوعی وسیلوں کے باعث سارے روئے زمین پر پھیل جاتی ہے۔ مثلاً آلو جو ایک ترکاری ہے وہ تمام انسانوں کے لئے اچھی ہے۔ پہلے وہ ایک خاص ملک میں دریافت ہوئی تھی۔ پھر اس کے لئے جیسا موقع اور ضرورت پیش آتی گئی ویسا ہی وہ دُنیا میں سارے انسانوں کے فائدے کے لئے پھیلتی گئی۔ جو بڑی بڑی مفید ایجاد اور صنعتیں دنیا میں جاری ہیں وہ بھی سب اسی طرح شروع ہوئیں اور اسی طرح پھیل گئیں۔ مذہب کا بھی یہی حال ہے۔ ایک واحد خدا کا جو صاف اور صریح ایمان دنیا میں اب پایا جاتا ہے وہ حضرت ابراہیم کے ایمان سے شروع ہو کر سارے

عالم میں پھیلا ہے اُسی طرح خدائے مجسّم باپ بیٹے اور رُوح القدس کا پورا ایمان یروشلیم کے شہر میں شروع ہؤا اور آج کے دن تک پھیلتا جاتا ہے تاکہ ایک روز وہ تمام انسانوں کے لئے روشنی اور مضبوطی کا باعث ہو۔ اس ایمان کو اوّل تو یہودیوں نے خوشی سے قبول کیا پھر یونانیوں اور رومیوں نے اور پھر اہل ٹیوٹنز یعنی جرمن نسل کے لوگوں نے اور کلٹ قوم کے باشندوں نے اُس کو اختیار کیا۔ ابھی یہ باقی ہے کہ چین اور جاپان کے لوگ اور ہندو اور اَور بے شمار قوموں اور نسلوں کے لوگ بھی اسے قبول کریں۔ یہ ایمان ساری نسلوں کے لوگوں کی طبیعت کے موافق ہے۔ اور جس طرح کہ ہر مختلف نسل کے لوگ اس کو قبول کر کے اپنے دلوں میں اس سے روشنی اور زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح سے ہر مختلف نسل کے لوگ اُس ایمان کی مختلف قوتوں اور مطلبوں میں سے کچھ نہ کچھ نئی باتیں اپنے میں ظاہر کرتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں نے مختلف درجے کی ترقی کی ہے مسیحی ایمان کسی خاص درجے تک ترقی یافتہ انسانوں ہی میں اپنا اثر پیدا نہیں کرتا بلکہ ہر درجے تک ترقی کئے ہوئے آدمیوں میں وہ اپنا جوہر بھی دکھاتا ہے۔ وہ سلطنت روما کے نہائت مہذّب لوگوں میں پھیلا اور پھر آٹھویں صدی سے سولھویں تک جرمن اور دیگر اقوام جو علم و ہنر سے بے بہرہ مگر بادشاہ وقت تھیں اُن کی زندگی کو بھی اس ایمان نے پاکیزہ بنا دیا۔ پھر سولھویں صدی میں مسیحی مذہب کی اصلاح کی تحریک بھی اسی ایمان کے وسیلے سے ہوئی۔ آج کل جو یورپ اور امریکہ کی سلطنتوں میں جمہوری ریاست کی طرف لوگوں کا میلان بہت کچھ دیکھا

جاتا ہے۔ اس کو بھی جو مضبوطی درکار ہے وہ اسی سے ملیگی۔ غرضیکہ مسیح یسوع ہر زمانے اور ہر قسم کے لوگوں کو روشنی بخشنے والا ہے۔ وہ کُل نوع انسان کو گُناہ اور اُس کے عذاب کے پنجے سے چھڑانے والا اور اُن کی بندی خلاص کر کے اُن کو آزادی بخشنے والا ہے۔ اُس پر ایمان لانے سے جو پوری طاقت اور مطلب حاصل ہونا چاہیئے وہ صرف اِسی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے جب سارے زمانوں اور ساری نسل اور قوموں کے آدمی اور سب طرح کی صحبت اور تہذیب کے لوگ اُس کو قبول کریں مسیحی مذہب ابھی عالم شباب میں ہے اور آئندہ زمانوں کی درستی اور ترتیب کے لئے مستعد ہے۔ زمانے کی حاجتوں کے لئے بھی کافی و وافی ہے ؞

مسیحی الہام جہاں کہیں قدم رکھتا ہے وہاں اُس اختیار اور قدرت کے ساتھ اپنا کام کرتا ہے جو کلام حق کا منصب ہے۔ انسان کی تمیز جو حکم صادر کرتی ہے وہ ہمیشہ صاحب اختیار کی طرح ہوتا ہے۔ جو حقیقتیں مذہب سے متعلق ہیں وہ بھی ہمیشہ اختیار اور حکومت کے ساتھ اپنا عمل بٹھاتی ہیں۔ وہ انسانوں پر اپنا دعوے قائم کرتی ہیں۔ ضرور ہے کہ جو روشنی ہر انسان کو روشن کرتی ہے اُس کا حکم ہر زمانے اور ہر قوم و نسل اور ہر مذہب کے لوگ مانیں۔ اور وہ روشنی یسُوع مسیح ہے۔ ہر جگہ وہی خدا یعنی باپ بیٹا اور رُوح القدس حاضر و ناظر ہے۔ اگرچہ کسی جگہ کے لوگ اُس کے نام اور ذات کو صحیح طور سے نہ جانتے ہوں مگر پھر بھی وہ اس بات کا طلبگار ہے کہ انسان کہیں کیوں نہ ہو اور کوئی کیوں نہ ہو اُس کی اطاعت کرے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جن کو اُس

کی پہچان نہائت صفائی کے ساتھ حاصل ہے۔ اُن کے ساتھ وہ نہائت اختیار و حکومت کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ غیر مذہبوں میں سے جو شخص کہ اپنی روشنی کے موافق عمل کرتا ہے وہ واحد و صادق خدا کے کلام یعنی مسیح کا ہمیشہ فرماں بردار ہو رہا ہے۔ مگر جس قدر زیادہ صفائی کے ساتھ وہ کلام اُس کو سُنائی دیتا ہے اُسی قدر دل و جان سے اُس کا حکم ماننا ضرور ہوتا ہے اور جہاں کہیں کہ لوگ مسیح کو بہ حیثیت مسیح صاف صاف طور سے جانتے پہچانتے ہیں وہاں ضرور ہے کہ وہ مسیح کو جانکر اُس کے حکموں کی اطاعت کریں اور اُس کو قبول کریں۔ شفق کی روشنی اگرچہ تاریکی سے تو بہتر ہوتی ہے مگر روز روشن اُس سے بڑھ کر ہے۔ پس جو شخص روز روشن کو چھوڑ کر شفق کو اختیار کرتے ہیں وہ اُنہی کے برابر ہیں جو تاریکی کو پسند کرتے ہیں۔ الہام کا مطلب یہی ہے اور اُس یکتا مذہب کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ اب میں اس کتاب کے ناظرین سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا یہ مسئلہ معقول اور بھروسا دلانے والا ہے یا نہیں۔ کیا ہمارا یہ بیان اُن بے پروا لوگوں کے قول کی نسبت زیادہ قرین عقل اور اُمید سے بھرا ہؤا نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ تمام مذہبوں کا متحقق اور غیر متحقق ہونا ایک ہی جیسا ہے*

ایسے لوگوں کے خیال کو جرمنی کے ایک شاعر لسنگ نامی نے تین چھلّوں کی ایک پُرانی حکائت کے ذریعے سے خوب بیان کیا ہے۔ جس کو اُس نے ایک فرضی دانشمند ناتھان کی زبان سے ادا کیا ہے۔ جس زمانے میں یورپ کے مسیحی بادشاہ صلاح الدین مسلمان بادشاہ سے یروشلیم پر قبضہ کرنے کے لئے لڑنے جایا کرتے تھے اُس وقت

صلاح الدین کی طرف سے اُس نے یہ ذکر لکھا ہے کہ اُس نے ایک بڑے دانا یہودی ناتھان نامی سے پوچھا کہ تم کیونکر اس بات کا فیصلہ کرتے ہو کہ کونسا مذہب سچّا ہے۔ یہودی یا عیسائی یا محمّدی۔ اس سوال کا جواب ناتھان نے ایک تمثیل کے ذریعے سے دیا اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک بے بہا چھلّا تھا اُس میں یہ خوبی تھی کہ جو شخص اُس کو اپنی انگلی میں پہن لیتا تھا وہ خدا اور اُس کی مخلوق سبھی کا مقبول ہو جاتا تھا۔ اُس چھلّے کا مالک اُسے اپنے نہائت عزیز بیٹے کے سپرد کر کے یہ حکم دے مرا کہ تو بھی جب تیرے انتقال کا وقت آوے تو اُسے اپنے سب سے پیارے بیٹے کے سپرد کر دیجیو اور اسی طرح تیرا ہر ایک جانشین کرتا چلا جائے۔ یعنی اس چھلّے کو اپنے سب سے عزیز بیٹے کے سپرد کر کے رحلت کرے اور وہ بیٹا اس وجہ سے اپنے خاندان کا سردار بنے۔ پس وہ چھلّا اس حکم کے موافق نسلاً بعد نسلٍ ورثے میں پہنچتا رہا۔ آخر کار ایک ایسے شخص کو پہنچا جس کے ایک نہیں بلکہ تین بیٹے ایسے تھے جن سے یکساں محبت اُسے تھی۔ اس مورث نے اپنے تینوں بیٹوں سے یکے بعد دیگرے یہ اقرار کیا کہ میں یہ چھلّا تجھی کو دونگا۔ اب اُس نے یہ اقرار تو تینوں سے کر لیا مگر اسے پورا کیونکر کرے تاکہ تینوں میں سے کوئی بھی آزردہ نہ ہو۔ اُس نے یہ کیا کہ دو اَور چھلّے ایسے بنوائے کہ غیر تو کیا وہ خود اُن میں اور اصل میں مطلق تمیز نہ کر سکتا تھا۔ اب اُس نے اُن میں سے ایک ایک چھلّا اپنے تینوں بیٹوں کو دیدیا۔ جب باپ مر گیا تو تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میرا

اپنے دونو بھائیوں کو جعلساز ٹھیراتا تھا- ہی چھلاّ اصل ہے- اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ تینوں لڑتے جھگڑتے قاضی کے پاس فیصلے کے لئے آئے- قاضی نے اُن سے کہا کہ اصل چھلّے میں یہ وصف ہے کہ جو اُس کا مالک ہوتا ہے اُس کو خدا اور انسان دونوں عزیز سمجھتے ہیں- تم میں سے کون ہے جس کو اُس کے ساتھی سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں- بڑے افسوس کی بات یہ معلوم ہوئی کہ اُن تینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا- جو لوگوں میں عزیز ہو- کیونکہ تینوں کے تینوں خودغرض تھے اور صرف اپنی ہی اغراض کے لئے اپنی زندگی سمجھتے تھے- یہ دیکھ کر قاضی نے کہا کہ اس مقدمے کو چند پشتوں تک ملتوی رہنے دو- ہر شخص اپنے چھلّے کو جسے وہ اصل سمجھتا ہے اپنی ہی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ سونپتا رہے اور ہر چھلّے کا مالک اپنی نیک طبعی سے اپنے تئیں اَوروں کا عزیز بنانے کی کوشش کرے- پھر ہزاروں برس کے بعد مجھ سے زیادہ ایک دانشمند قاضی ہوگا جو اس امر کا فیصلہ کریگا کہ ان میں سے کونسا چھلاّ اصل ہے ✤

اس تمثیل کا جو مطلب ہے وہ اس سے خودبخود سمجھ میں آجاتا ہے- ناتھان کی مراد اس فیصلے سے یہ ہے کہ کوئی شخص اس بات کا تصفیہ نہیں کرسکتا کہ سچّا مذہب کونسا ہے- نہ غالباً یہ مرضی الٰہی ہے کہ کوئی اس کا فیصلہ کرے- پس تاوقتیکہ اس بات کا فیصلہ نہ ہوجائے ہر شخص اپنے مذہب پر چلے اور جس قدر بھلائی جس سے ہو سکے کرے- اور جو شخص عقلمند ہے وہ اس امر کو معلوم کرلیگا کہ مقدّم سب سے عقیدہ یا مذہب نہیں بلکہ چال چلن ہے ✤

غرض یہ ہے کہ جرمنی کا شاعر لسنگ نامی ناتھان کی زبان سے اُن لوگوں کی رائے ظاہر کرتا ہے جو اپنے تئیں وسیع الخیال سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جو یہ دعوے ثابت کرسکتا ہو کہ میں ہی سچّا ہوں- اور بڑی بات یہ نہیں ہے کہ کسی شخص کا مذہب کیا ہے بلکہ یہ کہ اُس کا چال چلن کیسا ہے ✤

لوگوں کی اس رائے میں کئی مغالطے ہیں- مثلاً یہ بات بالکل تحقیق ہے کہ آدمی کا چال چلن انجام کار اس پر منحصر ہوتا ہے کہ اُس کا اصل عقیدہ کیا ہے- مثلاً محمدی عقیدے کے اخلاقی نتیجے تاریخ سے معلوم ہو سکتے ہیں- اور وہ مسیحی مذہب کے اخلاقی نتیجوں سے بہت مختلف ہیں- مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ کسی مذہب کے صحیح نتیجے اسی حالت میں پیدا ہوسکتے ہیں جبکہ لوگ اس کو سچّا مذہب جانکر اُس پر ایمان لاتے ہیں- کسی مذہب پر ہمارا عمل قطعی صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ اس پر ہمارا ایمان بھی قطعی ہو- مگر اب اس بارے میں ہم اَور کچھ کہنا نہیں چاہتے صرف یہی کہتے ہیں کہ تم اس بات کو سمجھو کہ مذہب کے بےپروا لوگوں کی اس رائے سے انسان کی عقل کس مرض کی دوا رہ جاتی ہے- اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ آدمی اپنے مذہب کا حقیقت میں یقین اُسی وقت تک کرسکتا ہے جب تک کہ وہ نادان اور متعصّب ہے- اگر وہ کبھی اپنے مذہب پر خیال کرنا شروع کرے تو جو باتیں پہلے اُس کو تحقیق نظر آتی تھیں اب مشتبہ معلوم ہونگی یعنی جتنا عقلمند ہوتا جائیگا اُتنے ہی اُس کے مذہبی عقیدے دُھندلے پڑتے جائینگے جس قدر عقل اُس کی بڑھتی جائیگی اُسی قدر خدا اور

اُس کی مرضی کے بارے میں اُس کی شناخت اور اُس کا اطمینان گھٹتا جائے گا - بھلا یہ بات کیا عقل کے مطابق ہے یا انسان کی عقل کو ایسی بات سے کوئی تقویت پہنچتی ہے ؟ کیا اُس کی نسبت یہ ماننا زیادہ تر عقل کے موافق نہیں کہ مذہب میں بھی اَور باتوں کی طرح علم کی ترقی اور امتیاز کی افزائش کی گنجائش ہے - ہر شخص خدا کے بارے میں کسی قدر واقفیت پیدا کرسکتا ہے اور خدا کی باتوں کا علم جو دُنیا میں درجہ بدرجہ زرتشت - بُدھ - یونانی اور یہودی مذہبوں میں بڑھتا چلا گیا ہے وہ یسُوع مسیح کے ظہور سے تکمیل کو پہنچ گیا ہے - جیسا کہ انجیل میں اُس کی بابت مذکور ہے کہ اُس میں یعنی مسیح میں حکمت اور معرفت کے سارے خزانے چھپے ہوئے ہیں اور اُس کی ذات میں ہمیشہ کے لئے ایسی روشنی بھری ہوئی ہے جو کامل اور کبھی نہ بجھنے والی ہے - غرض اُس میں خدا کی صاف پہچان کے متواتر بڑھتے رہنے کا امکان ہے +

یہ صحیح ہے کہ خدا اپنے آپ کو ہر کہیں ظاہر کرتا رہا ہے - عالم موجودات میں اُس کی قوت اور ترتیب و انتظام اور اُس کے حسن و جمال میں - انسان میں - یعنی ہر بشر میں تمیز اور سوشیل تمیز میں - انسانی علوم میں انسان کی ترقی کے علموں میں - اُس کے نبیوں میں جس کے دلوں پر خدا کے جلال اور اُس کی مرضی کا نقش اَوروں کی نسبت خاص صفائی کے ساتھ ہوا ہے - غرضیکہ خدا اپنے آپ کو ہر طریق سے اور ہر مقام میں ظاہر کرتا رہا ہے - اور اُس کے یہ سارے جداگانہ اور پیچیدہ ظہور اُس وقت ایک مرکز پر آنکر جمع ہو گئے - جب اس واحد و

صادق خدا نے اپنی ذات خاص کو انسانی سرشت میں ظاہر کیا یعنی وہ ذات انسانی یسوع جو حقیقی انسان اور حقیقی خدا ہے اُس میں خدا باپ کی ذات بھی کامل طور سے ظاہر ہوئی اور انسان کی قابلیت اور حیثیت بھی کامل طور سے نمودار ہوئی +

چھٹا باب

خدا کے بیٹے کا مجسم ہونا

ایک زمانہ ہؤا کہ روئے زمین پر ایک شخص نمودار ہؤا - وہ ادھر اُدھر بھلائی کے کام کرتا پھرتا تھا - انسانوں کو بیماریوں سے شفا بخشتا اور اُن کی کمزوریوں کو دفع کرتا تھا - اُس کا نام یسوع ناصری تھا - اُن تمام اوصاف میں جن کے مجموعے کا نام انسانیت ہے وہ ایک کامل انسان تھا - جو لوگ اُس کے نہائت قریب تھے - اُنہوں نے اُس کے کلام اور کاموں کی قدرت اور اختیار سے اور اُس کے مرحمت آمیز معجزوں سے اور اُس کے موت پر فتح پانے سے رفتہ رفتہ یہ دریافت کر لیا کہ وہ خدا کا ابدی و ازلی فرزند ہے - یہ لوگ جو اُس کے شاگرد تھے اُس کی انسانیت دیکھ کر اُس کی الوہیت پر ایمان لے آئے - اور اس طرح ایمان حاصل کر کے اُنہوں نے یہی ایمان مسیحی کلیسیا کے بطور ایک ورثہ کے سپرد کیا - یسوع ناصری کے کلام اور اُس کے کاموں کے تذکروں نے اور اُس پر ایمان لانے والوں کے

اُن متواتر تجربوں نے جن سے اُس کی قدرت معلوم ہوتی ہے اس ایمان کو اور بھی ثابت اور قوی کر دیا ✣

پس ہم جو مسیحی کلیسیا کے لوگ ہیں اس بات کا ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کا ازلی فرزند یا کلام جو خود حقیقی خدا اور مبارک ثالوث کا اقنوم دوم ہے کنواری مریم سے اپنا جسم حاصل کر کے حقیقی انسان بنا۔ اور یسوع ناصری کے نام سے زمین پر اس لئے نمودار ہؤا کہ یہیں زندگی گزارے۔ کام کرے۔ دُکھ اُٹھائے۔ مر جائے۔ اور مُردوں میں سے پھر جی اُٹھے اور آسمان پر چڑھ کر باپ کے دہنے ہاتھ جہاں وہ پیشتر بیٹھا تھا جا بیٹھے ✣

اب ہم اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو اس بات کا یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس بات کو کبھی بھولنا نہ چاہیئے کہ یہ خدا کا فرزند یا کلام جو یسُوع مسیح کی شکل میں انسان بنا اپنی ساری خلقت اور ساری مخلوق کے درمیان موجود تھا بھی اور ہے بھی۔ وہ ہر زمانے میں جہان کے اندر ہر جگہ موجود تھا۔ وہ اپنے آپ کو موجودات میں۔ انسان کی تمیز میں۔ قوموں کے معاملات میں اور نبیوں کے الہام میں ہمیشہ ظاہر کیا کرتا تھا۔ اُس کی خوشنودی ہمیشہ بنی آدم کی صحبت سے ہوتی تھی (امثال ۸-۳۱)۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کا صرف تجسم ہی ایک اکیلی ایسی بات نہیں جس سے اُس کی رغبت انسان کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کا جسم انسانی اختیار کر کے دنیا میں آنا ان سب باتوں کے اعتبار سے جو پہلے ہو چکی ہیں ایک تکملہ اور خاتمہ ہے۔ وہ درجہ بدرجہ زیادہ تر قوت کے ساتھ موجود ہوتا جاتا

تھا۔ موجودات و کائنات کی نسبت تو انسان کے اندر زیادہ موجود ہوا۔ اور عام انسانوں کی نسبت نبیوں میں زیادہ۔ اور سب سے زیادہ اس انسانی ذات میں موجود تھا جس کو اس نے اس لئے اختیار کیا کہ اپنے آپ کو انسانوں پر پورے طور سے ظاہر کر سکے ✣

مسیح کے تجسّم سے خدا کی خدائی بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور ہماری اصلی آدمیت کا جلوہ بھی دکھائی دے جاتا ہے۔ اور گنہگار انسانوں کو نئے سرے سے زندگی شروع کرنے کا موقع ملتا ہے ✣

(۱) یہ بات کہ فرزند خدا کے تجسّم سے خدا کی خدائی کیونکر ظاہر ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ذات انسانی درحقیقت خدا کی صورت اور مشابہت پر اس قدر بنی ہوئی ہے کہ خدا اپنے اوصاف اور اپنی ہستی کو ظاہر کرنے کے لئے ذات انسانی سے واقعی کام لے سکتا ہے۔ خدا کی ذات کو صرف خیال یا دلیل سے سمجھنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہاں البتہ اگر ہم سبق سیکھنے کے لئے ایک نمونہ اپنے سامنے رکھ لیں تو ذات الٰہی کا ہماری سمجھ میں آنا ممکن ہے۔ یسوع مسیح کی زندگی خدا کے بارے میں ہمارے لئے ایک ایسا نمونہ ہے کہ ہم اس کے وسیلے سے وہ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ہم اس کی انسانی محبّت اور اختیار اور قدرت اور انصاف اُس کے کلام اور کاموں سے معلوم کرتے ہیں۔ اور یہ جان لیتے ہیں کہ یہ انسانی حقیقت اُسی حقیقی خدا کی خصلت ہے۔ جس نے اپنے آپ کو ہماری ذات کی صورت میں یوں ظاہر کیا کہ اُسے ہم خوب طرح سمجھ سکتے اور اُس کے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتے۔ خدا کے انصاف اور رحم اور تحمّل

اور سختی سے جو مراد ہوتی ہے اُس کو ہم یسوع مسیح حقیقی انسان اور حقیقی خدا کے انسانی انصاف اور رحم اور تحمّل اور سختی سے صاف طرح سمجھ سکتے ہیں ؞

(۲) یہ کہ خدا کے فرزند کے تجسّم سے انسان کی اصلیت کیونکر معلوم ہوتی ہے۔ انسانیت کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یعنی اصل مرد یا اصل عورت سے کیا مراد ہے؟ بھلا اس کا فیصلہ کیونکر کریں۔ ہم دُنیا میں چاروں طرف بھی نظر کرتے اور اپنے باطن کو بھی دیکھتے ہیں۔ تو کیا معلوم کرتے ہیں۔ بھلائی اور بُرائی۔ محبّت اور خودغرضی رحم اور بے رحمی۔ انصاف اور بددیانتی۔ زور اور کمزوری۔ پاکیزگی اور ناپاکی۔ ان سب چیزوں کو ملا جُلا پاتے ہیں۔ بعض وقت طبیعت انسانی کی بُری عادتوں کا ایسا غلبہ دیکھا جاتا ہے کہ آدمی یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انسانی طبیعت بذاتہ خودغرض۔ شہوت پرست۔ بے رحم اور بگڑی ہوئی ہے۔ مگر انسانی تمیز ایسے خیال کو ردّ کرتی ہے۔ تاہم ایسی طبیعت انسانی دُنیا میں کہاں مل سکتی ہے جس میں کسی طرح کا بھی قصور نہ ہو۔ پس کیا پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان ایک ایسی شے ہے جو بالضرور بھلائی اور بُرائی سے مرکّب ہے؟ بھلا کہیں ایسا بھی کوئی شخص مل سکتا ہے جو بالکل بھلا ہو؟ اور دُنیا میں کوئی ایسی کسوٹی ہے جس سے یہ پرکھ لیا جائے کہ فلاں فلاں باتیں تو انسان سے متعلّق ہیں اور فلاں فلاں باتیں محض اُس کی طبیعت کے بگڑ جانے کے باعث سے اُس میں ہیں؟ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہمارے پاس ایک ایسی

کسوٹی موجود ہے جس سے یہ حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسوٹی یسوع ناصری ہے۔ جو سچّا انسان ہے۔ خدا نے آدمی کو سچ مُچ اپنی شکل پر بنایا تھا کہ جب اُس نے انسانیت کو اختیار کیا۔ تو اس طرح جامہ انسانیت کو نہ پہنا کہ گویا وہ اُس کی الوہیت کے لئے محض ایک نقاب کا سا کام دے۔ بلکہ اُس نے درحقیقت اپنی ربوبیت کے ساتھ ہی ساتھ انسانی زندگی گزارنی اختیار کی۔ وہ آدمی کی طرح پیدا ہُوا اور اپنے جسم اور عقل اور خصلت میں اَور آدمیوں کی طرح بڑھتا گیا۔ وہ انسان کی حیثیت سے امتحان میں پڑا اور اُس میں پورا اُترا۔ وہ آدمی کی طرح یقین کرتا یا ایمان رکھتا تھا۔ امید رکھتا تھا۔ خوف کرتا تھا اور دُعا مانگتا تھا۔ وہ ہر بات میں ہماری طرح آزمایا گیا۔ اور ہم سب جو اُس کے بھائی براور ہیں وہ بھی ساری باتوں میں ہماری ہی مانند بنا۔ بجز گناہ کے۔ اس طرح سے ہم اُس کی زندگی کو دیکھ کر یہ بات معلوم کر سکتے ہیں کہ انسان کی طبیعت پیدا کرنے سے خدا کا منشا کیا تھا۔ گناہ انسانیت کا کوئی حقیقی جزو نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اُس کی کمزوری اور خرابی اور بگاڑ کا نشان ہے۔ یسوع ناصری ہمارے سامنے ایک ایسا شخص موجود ہے جس میں خودغرضی یا ناپاکی یا بے رحمی کا کچھ بھی ملاؤ نہیں۔ اور پھر بھی وہ ایک سچّا اور اصل انسان ہے۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جس میں تمام دنیا کے مرد اور عورتیں ایسی ایک انسانی طبیعت دیکھ سکتے ہیں جو بالکل حسب دلخواہ ہے۔ اس کی طبیعت انسانی طبیعت کی معیار ہے۔ اسکی انسانی طبیعت سے آدمی کی اصلی بزرگی اور رونق ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے

اُس نے اپنے آپ کو ابن آدم کہا ✢

(۳) مسیح کے تجسم سے یہ بات حاصل ہوئی ہے کہ انسان کو اُس سے ایک نئی قسم کی زندگی میں قدم مارنے کے لئے مادّہ پیدا ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یسوع مسیح ہر بات میں سوا گناہ کے ہماری مانند تھا۔ لیکن صرف ایک اسی بات سے کہ وہ گُناہ سے مبرّا تھا۔ اُس میں اور اَور انسانوں میں زمین آسمان کا سا فرق پڑ جاتا ہے۔ وہ حکیم اور ریفارمر جو انسانی زندگی اور تمدّنی حالات کی تہ کو پہنچے ہیں اُنہوں نے اس امر کی آرزو ظاہر کی ہے کہ انسان کے لئے کوئی ایسی صورت نکلے کہ اُس کی زندگی کا طریق ایک نیا ہی ہو جائے۔ مدّت ہوئی کہ جب یونان کے نامی گرامی حکیم افلاطون نے یہ کہا تھا کہ لوگوں میں جو خرابیاں پھیل رہی ہیں اُن کا کوئی قرار واقعی علاج نہیں سوا اس کے کہ اب تو جُون ہی نئی بدلی جائے۔ اُس نے چاہا کہ کورا تختہ لیکر اُس پر ایسی زندگی کا نیا نقشہ کھینچے۔ پھر اُس کے سینکڑوں برس بعد ایک انگریزی صاحب خیال نے جس کا نام طامس کارلائل ہے ہمارے وقت سے کچھ عرصہ پہلے اپنے زمانے کے اُن مدبّروں کی طرف اشارہ کرکے جو قوم کی حالت کو ترقّی دینے کے لئے بڑی بھاری اور نئی نئی تدبیریں سوچا کرتے ہیں اور جن کا خیال اُس وقت یہ تھا کہ اگر لوگوں کی اصلاح کے لئے چند قانون بنائے جائیں اور ایسے انتظام کئے جائیں کہ جن سے اُن کی بُری عادتوں کا علاج ہو سکے تو اس سے آدمی سیدھی راہ پر چلنے لگینگے۔ اُن کے ان خیالات اور تجاویز کا کارلائل نے بڑا ٹھٹھا کیا اور طنزاً کہا کہ تمہارے یہ خیالات صرف

جھوٹے سفوف اور گولیاں ہیں جنہیں لوگ کھاتے تو ہیں مگر اثر اُن کا خاک بھی نہیں۔ تم جو اصلاح کی تدبیریں کرتے ہو ان سے بہت بڑی اور زبردست کسی بھاری اصلاح کی ضرورت ہے۔ تم نے اپنا خطاب ریڈیکل یعنی اصولی رکھ چھوڑا ہے یعنی تمہاری تجویزیں بات کی جڑ تک پہنچتی ہیں۔ پس تمہارے مطلب کے لئے ایسی تبدیلی کی حاجت ہے جس سے انسان کی زندگی میں جڑ ہی سے تبدیلی ہو جائے۔ یعنی ایک بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے ✢

یہ سچ ہے مگر گناہ تو ہماری ذات میں اس قدر گھُس گیا ہے کہ وہ باپ سے بیٹے میں اور بیٹے سے پوتے میں پھیلتا جاتا ہے۔ اُس میں کس طرح جڑ سے تبدیلی ہو۔ ہم کس طرح اپنی طبیعت کی جڑ کو نیا کر سکتے ہیں۔ ہم میں کس طرح نئی انسانیت پیدا ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی بغیر اس کے کہ ہم یسوع مسیح کے ساتھ پیوند ہو جائیں اور اُس میں جڑ پکڑیں۔ وہی ایک شخص ایسا ہؤا ہے کہ اُس کو نیا انسان کہنا واجب ہے۔ کیونکہ ایک وہی ایسا آدمی گزرا ہے کہ جس میں گناہ نہ تھا۔ اس لئے اسی سے ہم کو نئی پیدائش یا نئی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس بات کے کہ حکیم افلاطون اور کارلائل امیدوار اور خواستگار تھے وہ بات درحقیقت اور واقعی صرف یسوع مسیح سے ہم کو حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ایک کنواری عورت سے پیدا ہؤا۔ اور نئی مخلوق بنا۔ سچّا آدمی اور نیا آدمی ہؤا۔ وُہی ہم کو ایسی طبیعت عنائت کر سکتا ہے جس میں گناہ کی آلودگی نہ ہو۔ "وہ دُنیا کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے" ✢

اب ذرا اس پر غور کریں کہ گناہ کیا شے ہے اور یسوع مسیح اُس کو کس طرح اُٹھا لے جاتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ بلکہ بڑی بھاری بات ہے۔ اور ہم سب کا اس میں غائت درجے کا واقعی اور ذاتی فائدہ ہے کہ ہم اس سوال کا جواب ڈھونڈھیں۔

ساتواں باب

گناہ کیا شے ہے اور اُس سے کیونکر چھٹکارا ہو

یسوع مسیح کے کلام اور کام دونوں ہی سے بار بار یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو ایک نئی طرز پر اپنی زندگی گزارنے یا ایک نئی پیدائش کی ضرورت ہے یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہو کہ انسان کو نہ صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ ترقی کرے اور تعلیم یافتہ ہو۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ وہ نجات حاصل کرے یعنی گناہ کی غلامی میں سے چھڑایا جائے اور اصلی آزادی کی حالت میں پھر لایا جائے؟

گناہ سے کیا مُراد ہے؟ بہت سے آدمیوں کا تو خیال یہ ہے کہ جنس انسان کو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اُس کا ذہن علم وشائستگی کے اسباب سے روشن کیا جائے۔ گویا اصل خرابی یہ ہے کہ انسان نادانی کی حالت میں مبتلا ہے۔ یونانیوں میں جو ایک بڑا عقلمند حکیم سقراط نامی گزرا ہے اُس کی یہی رائے تھی۔ اور جس طرز میں کہ لوگ تعلیم اور تہذیب کے بارے میں اکثر ذکر

کیا کرتے ہیں کہ گویا اگر آدمی اس کو حاصل کرے تو اُس کی زندگی کی ساری خرابیاں رفع ہو جائیں۔ اس سے بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی بہت سے آدمیوں کی رائے یہی ہے جو سقراط یونانی حکیم کی تھی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط اور صاف واقعات کے برعکس ہے۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ دُنیا میں جہالت بہت پھیل رہی ہے اور بہت سی بیجا حرکتیں ایسی نادانی کے باعث سے کی جاتی ہیں۔ بو ٔ ش ا ه میں داخل نہیں۔ غرض اگر صحیح علم کا چرچا زیادہ پھیل جائے تو اس میں شک نہیں کہ دُنیا کی بہت سی خرابیاں رفع ہو جائیں اور جو شخص اچھی تعلیم کی قدر نہیں جانتا وہ بڑا بیوقوف ہے۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ بہت مدت ہوئی جب یہ دستور تھا کہ لوگوں کو اُن کے مذہبی عقیدہ کے باعث دُکھ دیا کرتے تھے۔ رومی کلیسیا کے لوگ پراٹسٹنٹ مسیحیوں کو آگ میں جلا دیا کرتے تھے اور پراٹسٹنٹ مسیحی رومی کلیسیا کے عیسائیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے تھے۔ اور خوبی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھا کرتے تھے کہ ہم ایسا کرنے سے گویا خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات بہت کچھ جہالت ونادانی کے باعث کی جایا کرتی تھی۔ پس اس کو روکنے کے لئے یہ بات ضرور تھی کہ ہمارے مسیحی مذہب کے حقیقی اصولوں سے آدمیوں کو واقفیت حاصل ہو یا کہ اُن بھلے مانسوں کو یہ معلوم ہو کہ دین کے بارے میں جن لوگوں کی رائے کو ہم غلط جانتے ہیں اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرنا ہمارے خداوند یعنی مسیح کے طریق

کے بالکل برخلاف ہے۔ پس ایسی باتوں میں جہالت سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب اچھی تعلیم کا رواج پھیل جاتا ہے تو یہ بُرائیاں مٹ جاتی ہیں۔ مگر ساری بُرائیوں کی جو جڑ ہے اُس پر تعلیم و تہذیب کچھ اثر نہیں کرتی۔ گناہ اور جہالت ایک ہی بات نہیں ÷

ہم پھر یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ دُنیا میں اخلاق کا بڑا گھاٹا ہے اور انسان کی طبیعت میں کمزوری نے جڑ پکڑ لی ہے۔ آدمی پیدائش ہی سے کسی نہ کسی اخلاقی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی بُری خواہش کی طرف اُس کا دل رجوع ہؤا کرتا ہے اور اپنے ارادوں میں کمزور رہؤا کرتا ہے صرف اتنی بات ہے کہ یہ حالت تو سب آدمیوں کی ہے۔ مگر کسی کی زیادہ کسی کی کم۔ کیونکہ سارے آدمی طبیعت سے کسی نہ کسی طرز کی بُرائی کی طرف کم و بیش مائل ہؤا کرتے ہیں۔ اس کا نام دین عیسوی میں موروثی گناہ ہے۔ یہ ایک بیماری کی طرح ہے جو آدمی نے اپنے سینکڑوں پُشت کے آبا و اجداد کی بدکاریوں۔ اخلاقی کمزوریوں ضد اور نادانیوں کے باعث ورثے میں اُن سے پائی ہے۔ اگر اس بیماری کا دور تک سُراغ لگایا جائے تو ہماری نسل کے عین شروع تک پہنچ جاتا ہے۔ ہماری طبیعت میں جو یہ عیب یا داغ پایا جاتا ہے گُناہ کے باعث سے ہے۔ گناہ کا پھل ہے۔ مگر جس معنی میں کہ گناہ کو شخصی قصور سمجھتے ہیں اس معنی میں یہ ابتدائی گناہ خاص ہمارا گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارا قصور نہیں۔ یہ

اُس مادّے میں موجود ہے جو پیدائش سے ہم کو ملا ہے۔ یہ وہ مادہ خام ہے جس سے ہم کو سارا کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا قصور صرف اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ہم اُس کے بس میں آجائیں۔ اُس کو پسند کرلیں۔ یا کہ اُس کے روکنے اور دبائے رکھنے کے لئے جو تدبیریں کرنی ضرور ہیں اُن کو نہ کریں ÷

جس کو خاص گناہ کہنا چاہیئے اُسے کرنا ہمارا ہی قصور ہی۔ یوحنا حواری اُس کی بابت یہ کہتا ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت ہے۔ (۱ یوحنا ۳-۴) پس دُنیا میں جس قدر گناہ ہے وہ شریعت کی مخالفت ہے اور جس قدر شریعت کی مخالفت ہے اُس کا نام گناہ ہے سارے جہان کی موجودات یا خلقت میں شریعت یعنی قانون قدرتی کا تسلّط قائم ہے۔ آسمانوں میں بے شمار آفتاب ہیں اور اُن کے چاروں طرف سیاروں اور ستاروں کے انتظام جاری ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے مقرری دائروں میں گردش کیئے جاتے ہیں۔ حرارت اور روشنی اور بجلی جو جہان میں بڑی بڑی قوّتیں ہیں اور ہزارہا طرح کی حرکتیں جو دُنیا میں معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے قانون کے موافق بلا کم و کاست برابر اپنا اپنا کام کیئے جاتی ہیں۔ کُل نباتات اور ہر شے جس میں جان ہے اپنے اپنے قانون کے مطابق گھٹتی بڑھتی ہے۔ انسان کے سارے قوٰے اور طاقتیں بھی قانون ایزدی کے دائرہ حکم کے اندر چلتی ہیں۔ غرض کُل موجودات قانون کے تابع ہے۔ مگر یہ حضرت انسان ایک مستثنےٰ ہے۔ انسان کے اندر ایک بڑی راز کی شے موجود ہے۔ آدمی

اخلاقی اور روحانی شخصی ہے نہ محض جسمانی۔ وہ بھی اگر چاہے تو اُس
میں یہ قابلیت ہے کہ اپنی آزادانہ بندگی اور آزادانہ پسند اور مرضی
سے اس طرح قانون کے موافق اپنی خدمت انجام دے جیسا کہ فلاکی
ستارے اور سیارے اور بے زبان جانور اپنا اپنا کام انجام دیتے
ہیں۔ لیکن اگر وہ چاہے تو سرکشی بھی کرسکتا ہے۔ اُس کو اختیار ہے
کہ جو بات راست اور درست ہے اُسے معلوم کرے۔ مگر پھر بھی پسند
اُسی بات کو کرے جو بُری ہے۔ اُس کو اختیار ہے کہ ہو تو پورے
درجے کا تربیت یافتہ اور شائستہ مگر بنے پھر بھی بدکار و شریر۔ اگر
اُس کا مزاج چاہے تو خدا اور فرض اور قانون کے برخلاف مورچے
باندھے۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو اُسی کا صحیح نام گناہ ہے۔ گناہ
قانون یا شریعت کی مخالفت ہے۔ گناہ ایک خاص حد تک خدا کی
سلطنت میں ابتری اور بے انتظامی ڈال سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ
وہ ایک خاص حد تک ایسا کرسکتا ہے۔ کیونکہ آخر تو آدمی آدمی ہی
ہے۔ خدا تو نہیں بن جاسکتا۔ خدا تعالےٰ نے دنیا کی سلطنت کو
اپنے ہاتھ سے چھوڑ نہیں دیا ہے۔ دُنیا کے آخر میں سارے جہان
میں وہی مطلب پورا ہو جائیگا جو خدا نے مدّ نظر رکھا ہے۔ اُس وقت
خدا کی سلطنت قائم ہو جائیگی۔ مگر اس عرصے تک اور ایک خاص
مقدار تک انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ خدا کے انتظام میں خلل
ڈالے۔ وہ دُنیا میں قانون ایزدی کی مخالفت پیدا کرسکتا ہے۔
چنانچہ کی بھی ہے ✣

انسان کی مختلف قوموں اور جماعتوں پر جیسا کہ اُن کا حال ہے

ذرا نظر تو کرو۔ بھلا کیا تمہارے خیال میں اُن کا حال ایسا ہی ہے
جیسا کہ خدا کا مطلب تھا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ خدا کی کبھی یہ مرضی نہ
تھی کہ لوگوں کے درمیان جیسا کہ آج کل حال ہے شہوت اور
خود مطلبی۔ بے رحمی اور بے دینی کی لعنتیں آئیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے
شہروں اور دیہات میں جو طرز معاشرت لوگوں کی ہے وہ خدا
کے منشا کو ظاہر تو بھلا کہاں کرتی ہے بلکہ برعکس گویا تمسخر اُس کا
کرتی ہے ✣

بھلا زمانۂ حال کے آدمیوں کی کیفیت تو جانتے ہو۔ اب ذرا
ابتدائی زمانے کے آدمیوں پر بھی نظر کرو۔ اُن کا حال تم کو
دُھندلا دُھندلا سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانۂ قدیم کی تاریخ پر
دُھوآں سا چھا رہا ہے۔ مگر خیر۔ اُس زمانے کے آدمیوں کی کیا
کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ یہ کہ وہ وحشت میں گرفتار ہیں۔ کیا اُن
کا وحشی ہونا خدا کے منشا سے تھا؟ ہرگز نہیں۔ جیسا کہ آج کل
کے مہذب آدمیوں کا حال خدا کے ارادے کے موافق نہیں
ہے۔ ویسا ہی پُرانے زمانے کے وحشیوں کی حالت بھی خدا کی
مرضی سے نہیں تھی۔ وہ اُس زمانے کے سیدھے سادے۔ بھولے
بھالے آدمیوں کی حالت کے برعکس کیفیت تھی۔ جیسا کہ زمانہ حال
کے موجودہ شائستگی سچّی شائستگی کے نقیض ہے ✣

بعض وقت لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ مذہب اور علوم طبیعات
ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اس لئے کہ علم کی رُو سے انسان
سب سے نیچے کے درجے سے شروع کرکے رفتہ رفتہ ترقّی کی حالت

میں پہنچتا جاتا ہے۔ مگر مذہب کے بموجب آدمی کمال کے درجے
سے شروع کرتا پھر گر کے بگڑ جاتا اور اُس کا حال بدتر ہو جاتا ہے۔
یہ باتیں خالی لفافہ ہیں۔ کیونکہ جو حقیقی علم طبعی ہے وہ ایک طرف تو
اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ آدمیوں کی حالت میں زِلّت اور بگاڑ
معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ نتیجہ اس سے نکالتا ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی
سلطنتیں اور عمدہ شائستگی کی حالتیں بگڑ کر خاک میں مل گئی ہیں۔ اور
وحشی قوموں سے بھی یہی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ آگے بڑھنے کی
بجائے پیچھے کی طرف ہٹ گئے ہیں۔ دوسری طرف سے مذہب جب
اپنے خاص کام سے کام رکھتا ہے تو کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں
کرتا کہ خدا نے انسان کو ابتدا میں کامل بنایا تھا۔ پیدائش کی کتاب
کے پڑھنے سے یہ خیال پیدا نہیں ہوتا۔ جب آدم کا جسم رُوح کی
سکونت کے لائق بن گیا تو آدمی نے ایک روحانی شخص کے طور
پر اپنا کاروبار شروع کیا۔ اُس وقت اُس کی حالت بالکل ناکامل
تھی۔ وہ اُس وقت ہر بات کے سیکھنے کا محتاج تھا۔ وہ اُس وقت
ایسا سادہ لوح تھا جیسے کہ بچے ہوتے ہیں۔ تم اگر چاہو تو اُس کی
اس حالت کو خبطی یا وحشی سمجھو۔ مگر کچھ ہی ہو۔ وہ اُس وقت خواہ
مخواہ گنہگار تو نہ تھا۔ یہ ضرور نہ تھا کہ وہ خدا کے حکم سے اور اپنی
ذات کے قانونوں سے سرکشی کرے ہی کرے۔ اگر وہ اپنی بیگناہی
کی حالت کو تھامے رکھتا۔ تو کچھ شک نہیں کہ انسان کی ترقی اور
شگفتگی بہت جلد جلد اور بڑی رونق کے ساتھ ہوتی۔ ہاں ہم کچھ
بیان نہیں کر سکتے کہ اب کی نسبت کیسی جلدی اور جلالی ترقی انسان

کو حاصل ہوتی۔ کیونکہ موجودہ صورت میں تو اُس کی ترقی ہر حالت
میں گناہ کے داغ سے آلودہ ہوتی رہتی ہے۔ پہلے گناہ کی کیفیت
پیدائش کی کتاب کے تیسرے باب میں بیان کی گئی ہے۔ مگر اس باب
میں اور نیز اس کے قرینے سے رُوحانی کیفیتوں کا بیان لفظی تواریخ
کی صورت میں نہیں بلکہ تمثیل اور استعارے کے پیرائے میں لکھا
ہؤا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم الہام سے وہ اس طرح لکھا گیا ہے کہ
ہم کو انسانی زندگی کے نہائت گہرے گہرے سبق سکھائے۔ اول
تو وہ ہم کو گناہ کی حقیقی خاصیّت بتاتا ہے۔ گناہ انسان کی ذاتی
خاصیت نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی ذات یا طبیعت کے متعلّق جو قانون
ہے اُس کا توڑنا گناہ ہے۔ اسی لئے گناہ کے بارے میں انجیل کے
اندر یہ لفظ آیا ہے کہ وہ شرع کی مخالفت ہی ہے۔ گناہ کے معنی یہ
ہیں کہ آدمی خدا کو رد کر کے اپنے تئیں اپنا معبود بنانا چاہتا ہے
اس طرح سے وہ آزمائش کے وقت خطا کرتا اور اپنی ذات میں
فتور ڈالتا ہے۔ گناہ کی یہی کیفیت ہر جگہ اور ہمیشہ ہوتی ہے۔ جو
گناہ کا خمیر پیدائش سے آدمی کے مادے میں پڑا ہؤا ہے۔ وہ
واقعی گناہ ہی کا نتیجہ ہے۔ واقعی گناہ ہر حالت میں انسان کی
مرضی کے وہ فعل ہوتے ہیں جن سے وہ خدا کو رد کر کے اُس
سے آزاد بن جانا چاہتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی ذات کے
قانون کو توڑ ڈالتا ہے۔ پس گناہ شریعت کی مخالفت ہی ہے +
یسوع مسیح دو باتوں کے لئے آیا تھا۔ ایک تو یہ کہ انسانی ذات
یا طبیعت کو کامل بنائے۔ اور دوسرے یہ کہ اُس کو گناہ کی غلامی

سے چھڑائے۔ غرض کہ انسان کی طبیعت جو گنہگار ہے وہ اُس کا بندوبست کرنے آیا تھا۔ وہ اس لئے آیا تھا کہ جو گناہ انسان کر چکا ہے اُن کے قصور اور داغ سے بھی اُس کو صاف کرے۔ اور انسانوں کی مرضیوں کو جو گناہ کے خمیر سے کمزور ہو گئی اور بگڑ گئی ہیں پھر درست کر دے اور بُرائی کی طرف سے پھیر کر راستی کی طرف مائل کر دے۔ تاکہ وہ آئندہ کو واقعی گناہوں کے کرنے سے بچ جائیں۔ اور بری ہو جائیں ✤

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یسوع مسیح کس طرح سے ہمارا نجات دینے والا یا چھڑانے والا ہے؟

اس کے جواب میں اول تو یہ بات ہے کہ یسوع مسیح آدم ثانی ہے۔ چونکہ وہ ایک کنواری عورت کے پیٹ سے پیدا ہؤا ہے اس لئے اُس میں کامل انسانیت اور نئی انسانیت ہے۔ اسکی ذات میں خدا کی ایسی نئی مخلوق نظر آتی ہے جو پُرانے گناہوں کے زہر آلودہ ورثے سے بالکل مبّرا ہے۔ وہ دو معنوں میں کامل انسان ہے۔ اوّل تو اس طرح کہ اُس میں انسانیت کمال شگفتگی یا ترقّی کے درجے پر پہنچ گئی تھی۔ اور دوم یہ کہ وہ خود گناہ کے داغ اور دھبّے سے ایسا پاک وصاف تھا کہ اُس میں کچھ عیب نہ تھا ✤

دوم یہ بات ہے کہ مسیح چونکہ کامل انسان تھا۔ اُس نے انسانی زندگی کا کامل نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے اور وہ تمام آدمیوں کو بُلاتا ہے کہ آؤ اس نمونے کے بن جاؤ۔ وہ ایسا نمونہ ہمارے سامنے رکھتا ہے جیسا کہ انسانی زندگی گُناہ سے مبرّا ہو کر بن جانے

کے قابل ہے۔ جو نمونہ کہ یسوع مسیح ہمارے روبرو پیش کرتا ہے۔ وہ پاکیزگی اور محبّت اور خدا کے لئے جان نثاری کا نمونہ ہے۔ اور وہ ساری دنیا کے آدمیوں کو کوئی کیوں نہ ہو اپنے پاس بلاتا اور یہ کہتا ہے کہ جیسا میں ہوں تم بھی ہو جاؤ۔ میرے نمونے پر چلو اور میرے حکم مانو ✤

مسیح میں یہ قابلیت بھی ہے کہ وہ ایک حقیقی طبیب کی طرح بھی ہے اس لئے وہ جانچ لیتا ہے کہ جس بیماری میں انسانی طبیعت مبتلا ہے وہ بیماری کس درجے تک پہنچ گئی ہے۔ یہ تو اُس کو معلوم ہے کہ میں نے جو زندگی کا کامل اور سچّا نمونہ دیا ہے اس سے آدمیوں کے دلوں میں یہ خواہش ضرور جوش مارےگی کہ ہم بھی اسی کی شکل پر بن جائیں مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جب تک اُن کے دل جڑ تک نہ بدل جائینگے۔ تب تک وہ میری مانند نہ ہو سکینگے۔ چنانچہ مسیح نے خود اپنی زبان سے یہ فرمایا ہے کہ جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو۔ وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا (یُوحنّا ۳-۴)۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم نہ پھرو اور بچّوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے (متی ۱۸-۳)۔ اب ہم ذرا اس بات پر غور کریں کہ یہ پھرنا اور نئی پیدائش کیا بات ہے؟ اور وہ کیونکر ممکن ہے۔ یہ بات جو انجیل میں مسیح کے بارے میں لکھی ہے کس طرح ہے کہ وہ خدا کا برّہ ہی جو دنیا کے گناہ کو لے جاتا ہے؟ (یوحنا ۱-۲۹) ✤

(۳) اب اس کے جواب میں تیسری بات یہ کہتے ہیں کہ مسیح یسوع نے اُن سارے گناہوں کے عوض میں جو آدمیوں نے

گئے ہیں ایک پورا فدیہ یا جو سما نہ بھر دیا ہے۔ اور ایک ایسا چشمہ جاری کر دیا ہے جس سے انسان کی رُوح نئی ہو جاتی ہے۔ اُس میں نئی زندگی پڑ جاتی ہے۔ اور آدمی آئندہ کے لئے گناہ کے پنجے سے رہائی پاتا ہے۔ جو اصطلاحیں ہم یہاں کام میں لائے ہیں اُن کے معنی پر ہم آئندہ بابوں میں بحث کرینگے ✣

جو لوگ کہ آدمیوں کے باہمی تعلّقات کی باتوں میں اصلاح کرنے کے خواہاں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح انسان کی زندگی بہتر ہو جائے۔ اب ہم اُن سے یہ التماس کرتے ہیں کہ وہ اس امر کے درپے ہوں کہ انسان کے اُس بڑے طبیب اور گناہ سے سچی مخلصی دینے والے یسوع مسیح کے قدموں میں بیٹھ کر سبق سیکھیں۔ تعلیم سے اور حفظان صحت کی اصلاحوں اور انتظام ملکی کی تبدیلیوں سے انسان کی زندگی کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ مگر ان سے وہ خرابی کبھی رفع نہ ہوگی جو انسان کی زندگی کی جڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اور یہ خرابی گناہ ہے۔ گناہ کے دور کرنے کا اَور کوئی نسخہ ہے ہی نہیں بجز نئی پیدایش کے اور نئی پیدایش کا دینے والا اَور کوئی نہیں ہے۔ سوا اس کے جس نے کہ انسان کو اور ساری اَور چیزوں کو ابتدا میں پیدا کیا۔ یعنی یسُوع مسیح جو کلمۃ اللہ ہے اور فرزند خدا ہے۔ جو شخص کہ گناہوں سے اکیلا سچّا مخلصی دینے والا ہے وہی خالق بھی ہے وہ ہم انسانوں کی خاطر اور ہماری نجات کے

لئے انسانی جسم لے کر آسمان سے آیا اور آدمی بن گیا ✣

جب وہ لعذر کی قبر پر کھڑا تھا اُس وقت اُس پر ذرا نظر کرو۔ اُس نے اُس وقت یہ فرمایا کہ پتھر اُٹھاؤ (یوحنّا ۱۱-۳۹) انسانیت جو مُردہ ہو گئی ہے اُس کی قبر پر ایک پتّھر نہیں بلکہ بہت سے پتّھر پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ زندگی بخشنے والے کلام کو وہاں تک بے روک ٹوک پہنچنے نہیں دیتے۔ لوگوں کے دلوں پر بُری عادتوں کے بھاری بوجھ بھی ہیں اور ملکی انتظام کی خرابیاں بھی ہیں۔ شہروں اور گانووں میں لوگوں کے رہنے کے گھر بُرے ہیں گلی کوچوں اور بازاروں کی موریاں خراب ہیں۔ لوگوں میں جہالت پھیل رہی ہے۔ اور مایوسی سے دل بیٹھا جاتا ہے۔ اور اَور بہت سی خرابیاں ستا رہی ہیں ✣

یہ سب اُن پتھروں کی مانند ہیں جو مُردے کی چھاتی پر قبر کے اوپر دھرے ہوئے ہیں۔ "اُن پتھروں کو ہٹا دو"۔ مگر پھر کیا؟ جو مُردے کہ قبر کے اندر پڑے ہیں کیا اس سے اُن میں جان آ جائیگی؟ ہرگز نہیں۔ جو لوگ بیمار ہیں وہ یُوں تندرست نہ ہو جائینگے۔ یہ اصلاحیں تو ضروری ہیں۔ مگر اُن سے نئی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔ صرف یسُوع ایک ایسا شخص ہے۔ جو قیامت اور زندگی ہے۔ وہی ایک ایسا شخص ہے جو مُردہ رُوح سے یہ کہہ سکتا ہے کہ۔ لعذر قبر میں سے نکل آ۔ (یوحنا ۱۱- ۲۵- ۴۳) ✣

آٹھواں باب

کفارے کا بیان

ہمارے خداوند مسیح نے جو کام ہمارے لئے کیا ہے اُسکی تین علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔ اوّل ہمارے لئے ایک کامل نمونہ ہونا۔ دوم ہمارے گناہوں کا کفارہ دینا۔ سوم ہم کو ازسرنو پیدا کرنا۔ ان تینوں کاموں میں سے اوّل دو کام تو ایسے ہیں جو اُس نے ہمارے واسطے کئے ہیں۔ اور آخر کا کام وہ ہے جو وہ ہمارے دلوں میں کرتا ہے اس باب میں ہم اس کے صرف ان کاموں کا بیان کرتے ہیں جو اُس نے ہمارے لئے یا ہمارا عوضی ہو کر بغیر ہماری کسی شراکت کے کئے ہیں۔ بلکہ اس باب میں ہم اُس کے اُن کاموں میں سے صرف ایک حصّے کا بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی اُس کام کا بیان جو اُس نے ہمارے گناہوں کا کفارہ دینے یا کہ ہمارے گناہوں کے لئے خدا کا قہر مٹا دینے سے کیا ہے ✣

یسوع مسیح نے خاص کر صلیبی موت پانے سے خدا باپ کے حضور ایک ایسی قربانی چڑھائی ہے کہ جس سے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا ہے یعنی خدا کا قہر ہمارے گناہوں کی طرف سے جاتا رہا ہے۔ اور صرف اسی قربانی کے ثواب کے باعث ہم گنہگار آدمی اپنی نالائقی کے باوجود خدا کے ہاں مقبول ہو سکتے اور ہمارے گناہ معاف

کئے جا سکتے ہیں ✣

لوگوں نے مسیحی عقیدے کے اُس جزو پر بہت سے اعتراض کئے ہیں اور ہم بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ عقیدے کا یہ مسئلہ اکثر اس طریق پر پیش کیا گیا ہے کہ اُن کا اعتراض کرنا قابل تعجب نہیں۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ جو کام مسیح نے ہمارے واسطے کیا ہے وہ اُس کام سے علیحدہ کیا ہے جو مسیح ہمارے دلوں میں کرتا ہے۔ اس وقت یہ نہیں ہے کہ ہم اُن اعتراضوں پر بحث کریں بلکہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو اعتراض کی بحث چھیڑے بغیر تمہارے سامنے پیش کر کے اُس کی خوبی تمہاری تمیز پر ظاہر کریں۔ ہماری رائے میں لوگوں کے اعتراض کا سب سے بہتر جواب یہی ہے کہ ہم حق کی تعلیم لوگوں کو اس طرح دیں کہ اُن کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ ہم کو یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ اس مسئلے پر اعتراض تو بہت سے ہوئے ہیں مگر اس میں ایک رُوحانی کشش کی عجیب قوت نمایاں ہوتی رہی ہے جس سے اعتراضات بھی مغلوب ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ اس مسئلے نے ہر جگہ گنہگاروں کے دلوں پر بڑا اثر پیدا کیا ہے۔ دُنیا بھر کے مسیحیوں نے اس امر کو اپنے دلوں میں محسوس کیا ہے کہ یہ مسئلہ اُن کی اندرونی حالت کے عین موافق ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا اور عاقبت کی باتوں سے بالکل بے فکر ہیں۔ اُن کے سوا سب آدمی اس امر سے خوب واقف ہیں کہ ہم نے خدا کے برخلاف گناہ کئے ہیں۔ اس وجہ سے انجیل کا یہ مسئلہ لوگوں میں بہت مشہور اور بہت پیارا ہے کہ اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے۔ یعنی

یسوع مسیح راستباز اور وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے"۔
(۱-یوحنا ۲ : ۲) مسیحیوں کے قطع نظر بُت پرستوں اور اور غیر مذہبوں
میں بھی جو قربانیاں وہ بغیر سمجھے اور اکثر اوقات بڑے خوفناک
طور پر چڑھاتے ہیں۔ وہ انسان کے دل کی صرف اس آرزو کو جو
اُن کے اندر خود بخود جوش مارتی ہے ظاہر کرتی ہیں۔ کہ مسیح
کی کامل قربانی کی عظیم الشّان حقیقت جس سے وہ واقف
نہیں مگر جس کی تلاش میں ہیں جب وہ نہ ملی تو اُس کے عوض جو
بات سب سے بہتر اُن کو ہاتھ لگ جائے اُسی کو وہ قبول کرنے
کو تیار ہیں ؂

پس اس صورت میں ہمارا یہ مان لینا بجا ہے کہ جو مسئلہ
سارے جہان کے آدمیوں کی ضرورت اور حالت کے موافق
پایا گیا ہے اور جس کی طرف تمام دنیا کے آدمیوں کی کانشنس
یعنی تمیز متوجّہ اور مائل معلوم ہوتی ہے۔ وہ مسئلہ اپنے اصل معنی
اور حقیقت میں ضرور سچّا ہونا چاہیئے ؂

گناہ کے کفارے کی قربانی اور خدا کی پاک شریعت کی بے
ادبی جو انسان کے گناہ سے ہوئی ہے اُس کا جُرمانہ یا معاوضہ
بہم پہنچانے کا عظیم الشّان کام جو یسوع مسیح نے انجام دیا یہ بات
بڑی بھاری اور غور کے لائق ہے۔ کیونکہ اگر گناہ کرنا محض ایک
نادانی یا کمزوری یا حماقت کا کام نہیں ہے بلکہ ہمارے اُس
باپ خدائے عزّ جلّ شانہٗ کے برخلاف قصور کرنا ہے جس نے
ہم کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ ہم اُس کی صحبت میں رہیں۔ تو ایسے

ایک جرمانہ بھرنے یا معاوضہ دینے کے کام کی کسی نہ کسی طرح ضرورت
بے شک تھی۔ جو باپ کہ دانا اور نیک ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ
جب اُس کے کسی بیٹے نے اُس کا قصور کیا ہے تو اس بیٹے ہی کے
فائدے کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ اُس کو اُس وقت تک معاف
نہ کرے جب تک کہ وہ اپنے قصور پر افسوس وندامت نہ ظاہر
کرے۔ اور افسوس وندامت کا اظہار یہ ہے کہ اپنے قصور کی
کسی صورت سے تلافی کرے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے بیٹے نے
شراب خواری یا ظلم وزیادتی کر کے اپنے گھرانے پر بدنامی کا
داغ لگایا۔ تو اس صورت میں باپ اپنے بیٹے سے اس طرح پیش
آئے کہ گویا کچھ بات ہی نہ تھی اور اُس کو پھر اپنے گلے سے
لگالے اس سے پہلے کہ وہ اس بدنامی کی بابت جو اُس نے
خاندان کی کی ہے اپنے دل میں افسوس کرے اور اُس کو ظاہر
بھی کرے۔ تو اس حالت میں وہ باپ اپنا فرض ادا کرنے میں ضرور
خطا کار ہے۔ اگر بیٹے نے اپنا قصور جان کر افسوس ظاہر کیا ہے
تو ضرور ہے کہ اُس کا یہ افسوس اُس کو اس بات پر بھی آمادہ کریگا
بلکہ اُس کا دل یہ چاہے گا کہ میں اپنے قصور کے عوض کچھ سزا
اُٹھاؤں یا جو خطا میں نے کی ہے اُس کا معاوضہ کچھ نہ کچھ ادا
کروں۔ اگر اس قصور سے چشم پوشی کی جائے اور اُس کا کچھ خیال
نہ کیا جائے تو اس سے یہ بُرا نتیجہ پیدا ہوگا کہ ہوتے ہوتے یقین
اُس کا اس پر جم جائے گا کہ بہرحال میرا یہ قصور ایک معمولی سی
بات ہے۔ ایسا ہُوا ہی کرتا ہے پس اس کا چنداں مضائقہ نہیں

یہاں تک کہ اُس میں بھلائی اور بُرائی کی تمیز باقی ہی نہ رہیگی ٭
خدا نے قدیم زمانے کی قوموں کے گناہوں سے ایک مدت تک طرح دی (رومیوں ۳ : ۲۵) اور اُن کو اپنی اپنی راہ چلنے دیا۔ یہ زمانہ جہالت کا تھا جس سے خدا نے چشم پوشی کی (اعمال ۱۴ : ۱۶ ، ۱۷ ؛ ۳۰) ان سارے زمانوں میں خدا نے اپنے قہر کا کوئی نشان نہ دکھایا کہ وہ اپنے حکیمانہ انتظام میں لوگوں کو ہر جگہ موقع دیتا رہا کہ وہ آپ ہی رفتہ رفتہ تجربے سے یہ بات دریافت کریں کہ گناہ آلودہ زندگی یعنی وہ زندگی جو خدا سے جُدائی کی حالت میں گزرتی ہے ہر چند کہ انسان کے پاس اس وقت عقل اور شائستگی کے سارے سامان موجود ہوں پھر بھی کیسی مصیبت کی زندگی ہوتی ہے۔ جب انسان اس بات کے دریافت کرنے میں عاجز و قاصر رہا تو پھر انسان کی ضرورت نے خدا کو کام کرنے کا موقع دیا۔ انسان کی ناچاری اور بیکسی کی حالت میں خدا نے اپنے آپ کو یسوع مسیح کی ذات میں ظاہر کیا۔ وہ اس لئے آسمان سے آیا کہ انسان پر پھر ظاہر کر دے کہ خدا نے اُس کو کس بات کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ یسوع مسیح اُن کے پاس آیا اور اُن کے سامنے یہ برکتیں مفت پیش کیں کہ اگر وہ چاہیں تو اُس سے اپنے گناہوں کی معافی حاصل کریں اور اُس کی رفاقت میں رہیں۔ مگر ضرور ہے کہ جب خدا اپنے فضل و کرم سے انسان کو یہ نعمت دینی چاہے تو انسان بھی اپنی طرف سے کوئی ایسا نشان دکھائے جس سے معلوم ہو کہ وہ گناہ کی خرابیوں کو جانتا ہے اور اپنے

گناہوں کا کچھ معاوضہ دینے کو تیار ہے۔ اور اس بات کو مانتا اور لحاظ رکھتا ہے کہ خدا قدّوس ہے اور گناہوں کی جو سزا دیتا ہے وہ منصفانہ دیتا ہے۔ پس یہ جو اخلاقی ضرورت تھی اُسے خدا ہی نے یعنی ابن اللہ نے انسان بن کر پورا کر دیا۔ یسوع مسیح کے کفارہ دینے کی یہی وجہ ہے ٭

یسوع مسیح نہ صرف خدا کو ہم پر ظاہر کرتا ہے بلکہ ایک اَور کام بھی کرتا ہے۔ کہ ابن آدم ہونے کی وجہ سے وہ انسان یا انسانیت کی طرف سے وکیل ہے۔ پس انسان ہونے کی حیثیت سے اس بات کو مانتا ہے کہ خدا قدوس ہے۔ اور خدا کے لئے ایک سچی اور پوری فرمان برداری کی قربانی چڑھاتا ہے۔ اور جب اس فرمان برداری میں یہ بھی ضرور ہوا کہ وہ اپنی جان تک قُربان کر دے تو اپنا خون بہانے سے بھی نہ جھجکا۔ اس طرح اُس نے خدا کو ایسی فرمان برداری کی قربانی چڑھائی جو موت کے درجے تک تھی اور موت بھی وہ جو اُس نے صلیب پر سہی ٭

اس کے علاوہ خدا نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ گناہ کا بُرا نتیجہ نہ صرف گناہ کرنے والے پر عائد ہو بلکہ اُس کے خاندان اُسکی قوم اور اُس کی تمام جنس تک جس سے وہ گنہگار متعلق ہے۔ یہ بھی ایک ایسی بات ہے جس سے وہ انسان کو برابر یہ بات سکھاتا رہا ہے کہ سارے آدمی ایک جسم ایک خاندان ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو اپنے ہم جنسوں سے جدا نہیں کر سکتے۔ آدمیوں کے دلوں میں خود غرضی نے جو گھر کر لیا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ

کسی طرح خدا کی اس شریعت سے کنارہ کریں۔ اور انسان کی بدی کے باعث سے جو سخت بوجھ ہماری کل جنس پر آپڑا ہے۔ اس کا وہ جس قدر کم حصّہ اپنے کندھے پر اُٹھا سکتے ہیں اُٹھائیں - مگر ہمارے خداوند مسیح نے اس شریعت سے گریز کرنا نہ چاہا۔ اُس نے اپنے ہم جنس سے روپوشی نہ کی۔ (یشعیاہ - ۵۸ : ۷) بلکہ جو قسمت کل انسان کی تھی اُس میں وہ شریک ہؤا - اُس نے تمام خلقت کے گناہوں کے بھاری بوجھ کو اپنے سر پر آنے دیا - پس جب سارے آدمیوں کے گناہوں نے اندھے پن اور خود غرضی کے ساتھ اُس کو چاروں طرف سے آگھیرا۔ جب یہودیوں اور غیر قوموں کے گناہوں نے اور حاکموں اور عام لوگوں کے گناہوں نے اُس پر زور کیا - جب اُنہوں نے اُس کو ردّ کیا - اُس کے ساتھ بدسلوکی کی اور اُس کو صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا۔ تو اُس نے انسان کے گناہ کے اس خوفناک بوجھ کو جو اُس کے سر پر ڈالا گیا تھا اُٹھا لینا منظور کیا۔ اور اس لئے کیا کہ اُس کے قدوس باپ خدا کی یہ مرضی قرار پائی ہے کہ وہ یہ بوجھ کل آدمیوں کے عوض اور اُن کے فائدے کے لئے اُٹھائے۔ گناہوں کی سزا کا وہ کڑوا پیالہ تھا جسے خدا باپ کو اُسے پلانا منظور تھا - اس طرح اُس نے خدا باپ کے سامنے کامل قربانی چڑھائی - نہ صرف اپنی ذاتی فرمانبرداری کی قربانی بلکہ وہ قُربانی بھی کہ اُس نے کل انسانی گناہوں کے ہولناک نتیجوں کا بوجھ اپنے اوپر اُٹھا لینا منظور کیا ✣

یسُوع کی یہ قربانی ایسی ہے جو خدا کی نظر میں مقبول ہوئی یعنی

وہ قربانی ہے جو انسانوں میں سے ایک نمونے کے لائق انسان نے کُل انسانوں کے عوض میں گزرانی ہے۔ یہ ایک پوری مرضی اور کامل فرمانبرداری کی بے عیب و بے داغ قربانی ہے۔ یعنی اور آدمیوں کے گناہوں کے عذاب کو صبر کے ساتھ سہنا۔ اور یہ یُوں ظاہر ہؤا کہ یسوع نے اپنے بدن کے خون کو آخری قطرے تک بہا دینا قبول کیا۔ یہ انسانی قربانی جو خدا کے فرزند نے ہماری انسانیت کے جامے میں گزرانی ہے۔ اس پر خدا باپ ہمیشہ خوش ہو کر نظر کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اُس نے ساری دُنیا میں جہاں دیکھا وہاں کمزوری - ضد - گندگی اور خود غرضی ہی کو دیکھا تھا۔ لیکن اب اُس نے اول ہی دفعہ اور صرف اسی بار ایک ایسی انسانی زندگی اور موت کو دیکھا۔ جو اُس کو بالکل پسند آئی۔ اور یہ قربانی اُس کے حضور میں اپنی رغبت سے چڑھائی گئی۔ یہ اوّل ہی مرتبہ تھا کہ آدمی کو دیکھ کر اُس کا دل کامل درجے تک خوش ہؤا۔ اُس کی جناب اور اُس کی محبّت کی جو آدمی کے گناہ سے بے قدری ہوئی اور ناشکری ہوئی اُس کا اب اول ہی دفعہ ایک کافی اور کامل معاوضہ آدمی کی طرف سے ادا ہؤا - اب وہ ایسے کفارے کو اپنے سامنے دیکھتا ہے جس کی وجہ سے بغیر کسی بھاری اخلاقی شک و شبہ کے تمام جنس انسان کو مفت معافی بخش سکتا ہے - اور یہ معافی ہر شخص کے واسطے ہے جو یسوع مسیح ابن اللہ پر ایمان لاکر خدا کی محبّت کی پناہ لے - یہ ایک بڑا بھاری مضمون ہے اور یہاں اس قدر گنجائش نہیں کہ بہت کچھ بیان کریں صرف

تھوڑا سا حال لکھا ہے۔ اب ہم آخر میں چند خیالات اس مضمون پر درج کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ناظرین اُن پر غور کریں ✣

(۱) ہمارے خداوند یسُوع مسیح کے کفارے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس حال میں انسان کے گناہ سے خدائے جل شانہٗ کی جناب اور قدوسیت کی سخت بے ادبی ہوئی تھی۔ اس لئے ضرور ہوا کہ انسان ہی کی طرف سے اُس کے معاوضے میں کوئی ایسا بھاری کام انجام دیا جائے جو سب سے بڑھ کر اور لاثانی ہو۔ تاکہ اس کام سے گویا خدا کی طرف سے یہ امکان پیدا ہو کہ وہ انسان کو گناہوں کی معافی مُفت اور بے دریغ دے سکے۔ اور انسان کی تمیز گُناہ کی طرف سے حقیقی نفرت معلوم کرنے سے مُردہ نہ ہو جائے ✣

(۲) یہ بات کہ یسُوع مسیح جو انسان کے گناہوں کے کفارے کے لئے خاص قربانی کا چڑھانے والا ہے وہ انسان کے وکیل کی حیثیت سے ایسا کرتا ہے۔ تاہم وہ شخص جو یہ قربانی دیتا ہے ہماری ہی انسانیت کے جامے میں حقیقی خدا بھی ہے۔ پس خدا خود ہی وہ قربانی ہمارے لئے بہم پہنچاتا ہے جو اخلاقی اعتبار سے اُس موقعے کے شایاں ہے۔ غرض یہ قربانی اُس کی محبّت نے ہمارے لئے مفت بخشی ہے ✣

(۲) یہ بات کہ یہ قربانی یا کفارہ ہر فرد بشر کے لئے ہے خواہ کوئی ہو۔ بشرطیکہ اُس کو ایمان لا کر قبول کرے۔ اور یہ ایمان لانا ایک طرح سے اَور سارے کاموں کے مقابلے میں نہائت آسان بات ہے۔ کیونکہ وہ ایمان صرف اس بات کا تسلیم کر لینا

ہے کہ ہم کو بخشش الٰہی کی ضرورت ہے جو خدا نے مفت اور ہماری لیاقت کے بغیر ہمارے واسطے بہم پہنچائی ہے اور ہم اُس کو قبول کرتے ہیں۔ مگر یہ ایمان جس سے انسان اپنے گناہوں کی معافی حاصل کرتا ہے درحقیقت اس امر کا عہد باندھنا ہے کہ میں مسیح کو اپنا مالک بناتا ہوں۔ اور جس فرمانبرداری اور صبر اور خدا کی عزت کے لئے سرگرمی کے ساتھ مسیح نے اپنے آپ کو قربانی کیا ہے میں بھی ان باتوں میں روز بروز ترقی کر کے مسیح کی یگانگت میں بڑھتا جاؤنگا۔ خدا جو ہر شخص کو مسیح کی قربانی کے ثواب میں اس شرط پر گناہوں کی معافی دینے اور اپنی بادشاہت میں قبول کرنے کو تیار ہے کہ وہ یسُوع مسیح پر ایمان لائے۔ اُس کی یہ بخشش اَور ساری بخششوں سے زیادہ فیاضانہ ہے۔ لیکن پھر بھی یاد رہے کہ یہی سیدھا سادا ایمان جب آدمی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اُس بیج کا کام دیتا ہے جس سے ساری حقیقی راستبازی کا پودہ دل میں لہلہانے لگتا ہے ✣

اس بات کا زیادہ تر ذکر ہم ایک اَور باب میں کرینگے ✣

(۴) یہ بات کہ لوگوں کا عموماً یہ خیال ہے کہ مسیح نے ہمارے لئے اسواسطے دُکھ سہا ہے کہ ہم دکھ سہنے سے چھُٹ جائیں۔ اس بارے میں ناظرین سے میری یہ التماس ہے کہ وہ دیکھیں کہ نئے عہد نامے میں اس خیال کی تائید کہیں نہیں پائی جاتی۔ اُس میں مسیح کے بارے میں یہ بیان ہے کہ اُس نے اس لئے دُکھ سہا ہے کہ اوّل تو ہمارے قصور معاف کئے جائیں اور ہمارا خدا کے ساتھ میل ہو جائے۔ دوم یہ کہ ہم مسیح کی زندگی میں شریک ہوں اور اُس کے دکھوں میں

رفاقت رکھیں۔ نئے عہد نامے میں ایک بھی فقرہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ خیال از خود پیدا ہوتا ہو کہ کسی قسم کا دُکھ ایسا بھی ہے جو مسیح نے تو سہا ہے مگر اُسے ہم کو اپنے درجے کے موافق سہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی ایسا فقرہ ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ناظرین ہمیں بتائیں۔ اس کے برعکس ہم اُن کو پطرس رسول کے پہلے خط کے دوسرے باب کی اکیسویں[۲۱] آئت سے چوبیسویں آئت تک اور چوتھے باب کی پہلی آئت کی طرف متوجّہ کرتے ہیں جو کچھ اُن کا مطلب ہے وہ نئے عہد نامے کا منشا ہے ✤

(۵) یہ ہے کہ میں نے اوپر جہالت کے وقتوں کا اور اُن وقتوں کا ذکر کیا ہے "جن سے خدا نے چشم پوشی کی ہے"۔ میں نے اُن وقتوں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ یہ زمانہ گذشتہ میں تھے۔ مگر جب مسیح جسم میں ظاہر ہؤا تو وہ وقت پھر نہ رہے۔ نئے عہد نامے کا بیان اُن کے بارے میں یہی ہے۔ یونانیوں اور رومیوں کیلئے جن کے کانوں تک انجیل پہنچ گئی تھی وہ وقت واقعی ختم ہو گئے۔ مگر دوسری قوموں کے لئے وہ پھر بھی جاری رہے۔ مثلاً انگریزوں کے بزرگوں کے لئے وہ زمانہ سینکڑوں برس تک جاری رہا۔ اور وہی جہالت کا زمانہ چینیوں۔ جاپانیوں اور ہندوؤں کے لئے اب تک جاری ہے۔ جنہوں نے انجیل یعنی خوشخبری کی منادی سُنی بھی نہیں ہے یا اگر سُنی ہے تو اُس کی تاثیر کو اپنے دلوں میں حقیقی طور سے معلوم نہیں کیا ہے۔ مگر اُن کے لئے بھی خدا کے مناسب وقت کا موقع کبھی ضرور آئیگا جیسا کہ یونانیوں اور رومیوں اور اہل ٹیوٹن اور کلٹ نسل کی

قوموں کے لئے آچکا ہے۔ اور جب وہ وقت آئے گا تو خدا کا سامان اُس کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ جب سے مسیح دنیا میں ظاہر ہؤا ہے اور اُس کے حق میں ساری دنیا کے اندر اُس کے شاگردوں نے اُس کی گواہی دی ہے۔ تب سے جہاں کہیں انجیل کی خوشخبری کا پیغام پہنچا ہے وہاں انسان کے گناہوں کے کفارے کے لئے جو قربانی مسیح نے چڑھائی ہے اُس کی منادی میں گناہ کے بارے میں جو لوگوں کے سارے بے پرواہی کے خیال ہیں اُنکا علاج بھی درج ہے ✤

خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب کے لئے یہ بڑی برکت والی سچّی بات موجود ہے کہ خدا گناہ سے نفرت رکھتا ہے۔ پھر بھی "اگر ہم اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ ہمارے گناہوں کے معاف کرنے میں وفادار اور راست ہے"۔ کیونکہ اگر کوئی شخص گناہ کرے۔ تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے اور وہ یسوع مسیح راستباز ہے اور وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی (۱۔یوحنّا۔ ۱-۹- اور ۲-۱ و ۲) ✤

نواں باب

رُوح القدس نئی زندگی کا بخشنے والا

ہم نے اپنے آخر مضمون میں اس امر پر غور کیا کہ خدا باپ ہمارے سارے گزشتہ گناہوں کو مسیح کی کامل قربانی کے صواب کے باعث

کس طرح معاف کر دیا کرتا ہے۔ اگرچہ کفارے کے اس راز میں بہت
سی باتیں ایسی ہیں جن کی تہ تک ہماری عقل نہیں پہنچ سکتی۔ پھر بھی
خدا کی یہ تجویز کی ہوئی بخشش ایسی صاف ظاہر ہے کہ ہماری سیدھی
سادی سمجھ میں اچھی طرح آ سکتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آدمی اپنے گناہوں
سے توبہ کرکے اور یسوع مسیح پر ایمان لاکر خدا کے سامنے حاضر
ہو۔ تو خدا اُس کے گناہ معاف کر دیگا۔ یعنی وہ اُس کے گناہ اُس
کے ذمّہ نہ لگائے گا۔ یعنی ایسا سمجھے گا کہ گویا وہ تھے ہی نہیں ✣

اب کوئی شخص یہ پوچھے کہ کیا خدا فرضی برتاؤ برتتا ہے۔ کیونکہ وہ
گناہ تو اُس آدمی کے واقعی فعل ہیں۔ اور ہر چند وہ اُس کے
بارے میں توبہ کرتا اور پچھتاتا ہے۔ پھر بھی وہ اُس کی خصلت سے
متعلّق ہیں۔ اس صورت میں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا جو سچّا ہے
اُن کو اپنے حساب میں ایسا سمجھ لے کہ گویا وہ ہوئے ہی نہ تھے؟
اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ خدا ہم پر اس طرح نظر نہیں کرتا
اور ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا جیسا کہ ہم اب موجود ہیں
بلکہ ایسا جیسا کہ ہم ہوتے جاتے ہیں۔ کسی شخص یا کسی چیز پر جو رائے
کہ نہائت سچی طرح سے دی جاتی ہے وہ وہ رائے ہوتی ہے
جو اُس کے بارے میں اُس حالت پر نظر کرتی ہے کہ جو اُس میں
ہونے والی ہے۔ مثلاً ایک درخت کا پودہ ہے جو بڑی عمدہ قسم
کا ہے۔ میں اُسکی ایک قلم کو ہر چند کہ وہ لکڑی کا صرف ایک ذرا سا
ٹکڑا ہوتا ہے بڑی قیمت دیکر خرید لیتا ہوں۔ اب آپ بتائیں کہ
میں اُس کے لئے اس قدر روپیہ کیوں خرچ کرتا ہوں۔ کیا جیسا کہ

وہ قلم اب ہے۔ اس پر لحاظ کرکے۔ نہیں۔ بلکہ اس بات کو سوچکر
کہ وہ کیا ہو جانے والی ہے۔ خدا بھی توبہ کرکے ایمان لانے والے
گنہگار پر اسی طرح لحاظ کرتا ہے۔ وہ اُس کی حالت موجودہ پر
نہیں بلکہ اُس حالت کا لحاظ کرتا ہے جو اُس میں ہو جانے والی ہے۔
یہ صحیح ہے کہ وہ اس وقت نوراست باز نہیں ہے۔ مگر اُس کے
دل میں جو توبہ اور ایمان پیدا ہو گیا ہے یہ اُس کے دل کی زمین
میں نئے بیج بوئے گئے ہیں جن سے پوری راستبازی اُس
کے دل میں آئندہ پیدا ہونے والی ہے ✣

شاید تم یہ کہو کہ وہ راستبازی اُس میں پیدا نہ ہوگی اور
اگر نہ ہوئی تو پھر کیا؟ بے شک ایسا ممکن ہے۔ اور اگر اُس میں
وہ پودا بار ور نہ ہؤا تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ اگر وہ راستبازی
اُس میں پیدا نہ ہوئی یعنی اگر وہ گر جائے یا کہ گناہ میں پھر مبتلا
ہو جائے۔ تو خدا نے جو معافیاں اُس کو بار بار کے گناہوں سے
بار بار توبہ کرنے پر دی ہیں وہ بھی جاتی رہینگی۔ یہ یاد رہے کہ
موت اور عدالت کے دن تک جبکہ آدمیوں پر آخر کار صفائی یا
بّریت کا بڑا فتوےٰ سُنا دیا نہ جائیگا۔ خدا جو معافی یا مخلصی اُن کو اب
دیتا ہے وہ سب شرطیہ ہے قطعی اور ناطق نہیں۔ یہ تعلیم ہمارے
خداوند مسیح نے خود اُس تمثیل میں ہم کو دی ہے جو ناشکر گزار
نوکر کی تمثیل کہلاتی ہے۔ اور متی کی انجیل کے اٹھارھویں باب کی
تئیسویں[۲۳] آئت سے پینتیسویں[۳۵] تک درج ہے۔ آپ اُس تمثیل کو پڑھیں
اُس میں یہ لکھا ہے کہ اُس نوکر کے آقا نے جب دیکھا کہ وہ اپنا

بھاری قرضہ ادا نہیں کر سکا تو وہ قرضہ اُس کو بخش دیا۔ اس کے بعد وہ باہر نکلا اور فوراً ایک اور اپنے جیسے نوکر کے ساتھ جس پر اُس کا کچھ تھوڑا سا قرضہ آتا تھا سختی کے ساتھ پیش آنے لگا اور اُس کو اُس کا قرضہ بخش نہ دیا۔ جب آقا کو یہ حال معلوم ہؤا تو اُس نے اُس نوکر کو اپنے پاس پھر بُلایا اور اُس کا قرضہ اُس پر قائم رکھا۔ غرضیکہ وہ نالائق نوکر جلّادوں کے حوالے ہؤا کہ جب تک تمام قرض ادا نہ کر دے قید رہے۔ خداوند مسیح اس کے بعد اسی تمثیل میں یہ بھی کہتا ہے کہ میرا آسمانی باپ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کریگا اگر تم بھی ایسا نہ کروگے جیسا کہ اُن کو کرنا مناسب ہے جن کے بہت سے قرض خدا نے بخش دئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی معافیاں جو ہم کو اس دنیا میں عنائت ہوتی ہیں وہ ابھی تک قطعی اور ناطق نہیں کہ بدل نہیں سکتیں ٭

اب اس بیان سے تم کو ذرا زیادہ صاف طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس معاملے کی صورت کیا ہے کہ جب دنیا کے آخر میں گناہوں سے صفائی یا مخلصی حاصل ہونے کا بڑا حکم سُنایا جائیگا۔ اُس وقت خدا ہمارے گناہوں کو قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لئے معاف کر دیگا۔ کیونکہ وہ پھر ہماری بدلی ہوئی خصلتوں سے علاقہ نہ رکھینگے۔ جیسا کہ شاؤل جو پہلے مسیح کے شاگردوں کا ستانے والا تھا۔ توبہ کرنے اور ایمان لانے کے بعد جب اُس کا نام پولُس قرار پایا اور وہ مسیح کا ایک رسول بن گیا تو اُس کے گناہ جو پہلے کے تھے اُس کی نئی خصلت اور حالت سے متعلّق نہ رہے۔ اسی طرح ہم بھی اپنے گناہوں

کی کینچلی اُتار کر اُن سے باہر نکل آئینگے۔ لیکن بالفعل جبکہ ہمارے اس دَور کا شروع ہی ہے۔ اور ہم اپنی توبہ اور ایمان کی ابتدائی چال میں ہیں۔ اور سڑک پر چلتے ہوئے گھڑی گھڑی گر جاتے ہیں تو جو کچھ ہم سے بے جا کام ہوتے ہیں خدا اُن کو معاف کر دیتا ہے۔ وہ ہمارے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا تھے ہی نہیں۔ اور اس طرح سے ہم کو ہمارے گناہوں کے بوجھ اور غلامی سے مخلصی دیکر مدد دیتا ہے کہ ہم اُس کے حکموں کی راہ میں سُبکرو چل سکیں ٭

خدا ہمارے گناہوں کو اس طرح معاف کرتے کرتے یا ہم کو ہر دفعہ نئے سرے سے شروع کرتے ہوئے دیکھ کر دق نہیں ہو جاتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مذہب میں ہم خطا اُسی وقت کھاتے ہیں جبکہ نیکی کی راہ میں قدم مارنے کے لئے کوشش کرنے سے ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں۔ یعنی جب ہم اپنے گزرے ہوئے گناہوں پر افسوس کرتے اور نئے سرے سے زندگی شروع کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ تو اُس وقت ہم مذہب کے اعتبار سے اپنا کام آپ بگاڑ دیتے ہیں ٭

مگر خدا جو ہمارے ساتھ سلوک کرتا ہے اُس کا مقصد ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہم آخر کار فی الواقع راستباز بن جائیں۔ اور ہم سے نہ صرف گناہ کا قصور چُھٹ جائے۔ بلکہ ہم گناہ کے قابو سے مخلصی پائیں۔ مذہبی امور میں ہر شے کی علت غائی یہی ہوتی ہے کہ ہم کسی طرح پھر خدا کی مرضی کے موافق زندگی بسر کرنے لگیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم درحقیقت خدا کی مانند بنجائیں ٭

لیکن یہ بات ہو کس طرح سکتی ہے؟ تم کہو گے کہ یہ ایمان کے وسیلے سے ہو سکتا ہے" ہاں بے شک چنانچہ انجیل شریف میں آیا ہے "کہ تیرے ایمان نے تجھ کو تندرست کر دیا ہے"۔ مگر کوئی پوچھے کہ ایمان کس شے کا نام ہے۔ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ ایمان بمنزلہ انسان کی رُوح کے کھلے ہاتھ یا کھلے ہوئے منہ کے ہے۔ وہ خدا کے وعدے کو سُنکر اُسے خوشی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ اور اُس کے انعام یا بخشش کی انتظار میں رہتا ہے۔ یہ انعام جس کی انتظار میں وہ رہتا اور جسے وہ خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ کیا شے ہے؟ یہ بخشش وہ رُوحُ القدس ہے جو خداوند اور زندگی بخشنے والا ہے۔ جب یسوع دنیا میں موجود تھا اور بیماروں کے جسموں کو شفا بخشتا تھا۔ تب اُن بیماروں کو بیماریوں سے شفا ملنے کا وسیلہ ایمان ہی تھا۔ کوئی پوچھے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمیوں کا ایمان مسیح یسوع کی شفا بخشنے والی قوت یا تاثیر کو جو اس میں سے نکلتی تھی اُن پر اثر کرنے کے لئے کھول دیتا تھا۔ یہ شفا بخشنے والی قوت یا تاثیر جو مسیح میں سے نکلتی تھی اُس رُوحُ القدس کی قوّت تھی جو مسیح کی پاک انسانیت کے اندر موجود تھی۔ مسیح اب بھی ہم کو تندرست کرتا ہے سب سے مقدم وہ ہماری رُوح کو تندرستی دیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی پاک انسانیت کے اندر سے رُوحُ القدس کی بخشش ہمارے اوپر نازل کرتا ہے ؞

آپ کو معلوم ہی ہے کہ خدا رُوحُ القدس مبارک ثالوث میں سے تیسرا اقنوم ہے۔ وہ دنیا میں ہمیشہ سے اپنا کام کرتا رہا ہے۔ اور اس کا خاص کام یہ ہے کہ زندگی دیتا ہے۔ دنیا میں جس قدر زندگی پائی جاتی ہے۔ خواہ نباتات میں ہو۔ خواہ حیوانات میں۔ خواہ انسان میں۔ وہ سب رُوحُ القدس کی بخشش اور اُس کی حضوری کا نشان ہے۔ اسی طرح وہ انسانی زندگی جو مسیح میں تھی یعنی اُس کی مقدس انسانیت اور وہ قوت جس کے وسیلے سے وہ شیطان پر غالب آیا اور جس کے باعث سے وہ معجزے دکھاتا تھا یہ بھی رُوحُ القدس کی بخشش تھی۔ خدا باپ نے یسوع ناصری کو بے اندازہ رُوحُ القدس سے مسح کیا تھا اور جب یسوع مسیح زمین پر سے آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا۔ تو اُس نے جو بخشش کہ اپنے ہمجنس انسانوں کو آسمان پر سے عنائت کی تھی وہ بھی روحُ القدس کی بخشش تھی اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور جب مسیح دنیا سے چلا جانے کو تھا تو اُس کی جگہ ایک دوسرا تسلّی دینے والا یا مددگار جو آنے والا تھا وہ بھی یہی روحُ القدس تھا جس کا ذکر یوحنّا کی انجیل کے چودھویں باب کی سولھویں آئت میں آیا ہے۔ مگر اس سے جو حقیقت حال ہے وہ آدھی بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ خداوند مسیح نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ "میں تم کو یتیم نہ چھوڑونگا۔ میں تمہارے پاس آؤنگا"۔ یہ اسی باب کی اٹھارھویں آئت میں درج ہے۔ پھر اسی باب کی تیئسویں آئت میں یہ لکھا

ہے کہ مسیح نے اس کے بعد اپنے شاگردوں سے یہ بھی کہا کہ ہم
یعنی میرا باپ اور میں آئیں گے اور تمہارے ساتھ سکونت کرینگے
کیونکہ مبارک ثالوث کے تین اقانیم جدا جدا فرد نہیں۔ وہ تینوں ملکر
ایک الٰہی شخص ہے۔ اس لئے جہاں ایک ہے وہ سب ہیں پس
رُوحُ القدس علیحدہ نہیں آیا کرتا۔ جب وہ آتا ہے تو اپنے ساتھ
خدا بیٹے اور خدا باپ کو بھی لایا کرتا ہے۔ اس لئے روز پنتیکوست
یعنی نزول رُوح القدس کے دن کی بڑی حقیقت یہ ہے۔ کہ
جب خدا رُوح القدس ہمارے خداوند مسیح کی مقدّس اور
جلالی انسانیت میں سے نازل ہُوا تو وہ نہ صرف خدا باپ کی
حضوری کو اپنے ساتھ لایا۔ بلکہ انسان یسوع مسیح جو خدا کا بیٹا
مجسّم شدہ تھا اُس کی حضوری کو بھی اپنے ساتھ لایا۔ حق یہی
ہے۔ اُس روز رُوح القدس کلیسیا میں اور کلیسیا کے ہر جُزو
میں سکونت کرنے کے لئے نازل ہوُا تھا۔ اور مسیح کی جلال یافتہ
انسانیت کی ساری قوت اور خوبی کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔
رُوح القدس زندگی دینے والا ہے۔ لیکن جو زندگی وہ دیتا ہے
یعنی جس زندگی کی زمین میں وہ ہم کو ایک نئے پودے کی طرح
قائم کر دیتا۔ اور جس زندگی کی غذا سے وہ ہماری پرورش کرتا
اور ہم کو مضبوطی بخشتا ہے۔ وہ جلال یافتہ مسیح کی زندگی ہے۔ رُوح
القدس ہمارے اندر سکونت کرتا ہے۔ اور اسی لئے مسیح جو
جلال کی اُمید ہے تم میں رہتا ہے۔ (کلسیوں ۱ : ۲۷) *
جب مسیح ہمارے اندر رہتا ہے۔ تو مسیح کے لوگ اس

بارے میں بڑی غلطی کرتے ہیں۔ جب وہ خدا کے بارے میں یا خدا
کے بیٹے مسیح کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ کہیں وہ اُن سے دور
رہتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہماری زندگی ہے۔ یعنی
ہم جو زندہ ہیں تو اُسی کی وجہ سے زندہ ہیں۔ وہ ہمارے اندر موجود
رہتا ہے * یہی وجہ ہے کہ جس کے باعث یہ بات بڑی آسان ہے
کہ مسیح کا نمونہ ہمارے لئے بڑا مفید ہو۔ آدمی اکثر یہ کہا کرتے
ہیں کہ اگر مسیح بے گناہ ہے تو اُس کے نمونے سے ہم کو کیا فائدہ
ہو سکتا ہے۔ ہاں مگر اُس کی زندگی ہمارے لئے صرف نمونہ ہی ہوتی
تو شاید ہم کو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اس قدر حد کے
درجے تک پاک ہے کہ شائد اُس کی زندگی کے دیکھنے سے ہم کو
مایوسی کے سوا اَور کچھ حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس کی زندگی اسقدر
اعلےٰ درجے کی ہے کہ ہمارا اُس تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن
سچ پوچھو تو مسیح کا نمونہ اور مسیح کی وہ قربانی بھی جو اُسنے ہمارے
کفارے کے لئے چڑھائی ہے۔ دونوں اُس کے اُس کام کا جو اُس
نے ہمارے لئے کیا ہے۔ صرف ایک حصہ ہیں۔ کیونکہ جو شخص ہمارا
قائم مقام ہونے کے باعث سے ہماری عوض کام کرتا ہے وہی شخص
ہمارے باطن میں اثر بھی کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے وہی ہماری
نئی زندگی کا باعث ہے۔ وہی یسوع جس کی زندگی کا حال ہم
انجیلوں میں پڑھتے ہیں۔ یعنی وہی یسوع جس نے شیطان پر فتح
پائی ہے۔ اور جس کی وجہ سے شیطان اپنا منہ چُھپا لینے کے لئے
دوزخ میں بھاگ گیا ہے۔ وہی یسوع ہماری نظروں کے سامنے

ہمارا نمونہ بھی ہے۔ اور اپنی رُوح کے وسیلے سے ہمارے باطن
ہیں مقیم ہونے کے باعث ہماری نئی زندگی بھی ہے۔ پس مسیح
ہمارے اندر مقیم ہو کر اپنی رُوح کے وسیلے سے ہمارے باطن
ہیں ہم کو اس نمونے پر بناتا جاتا ہے جو اُس نے ہم کو ظاہر
مین دکھایا ہے ٭

پس جب یہ صورت ہے تو پھر کون ہم کو اُس کی مانند بننے
ہیں مایوس کر سکتا ہے۔ ہم چاہے کتنی ہی دفعہ کیوں نہ گر جائیں"
یا گناہ میں پڑ جائیں۔ مگر خدا ہم کو مسیح کی خاطر معاف کرنے کو تیار
ہے۔ اور ہم کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔ تاہم مسیح اپنی رُوح کے
وسیلے سے ہمارے اندر مقیم ہو کر ہم کو مضبوطی بخشنے اور اپنی مانند
بنانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ پس ہم کو کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے
کہ ہم کس طرح مسیح جیسے شخص کی نہائت اعلےٰ زندگی کے نمونے پر
چل سکتے ہیں۔ ہم کو لازم ہے کہ مسیح جو ہمارا نمونہ ہے اور ہمارے
لئے قربان بھی ہؤا ہے اور ہماری نئی زندگی کا باعث بھی
ہے اُسی کو ہم چمٹے رہیں۔ اس امر میں ہم کبھی ناکام نہ ہونگے مگر
اُس وقت جبکہ ہم کوشش کرنے سے رہ جائیں گے۔ اور یہ بھی
کبھی ممکن نہیں کہ ہماری رُوح تباہ ہو جائے بجز اس صورت کے
کہ جب ہم دیدہ و دانستہ خدا کو چھوڑ بیٹھیں ٭

دسواں باب

کلیسیا میں بائبل

مسیح نے اپنے آپ کو حق کہا ہے۔ جو شخص انجیلوں کو پڑھتا
ہے اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیح کو اَور کسی بات کا اس قدر
فکر اور خیال نہ تھا جس قدر اس بات کا کہ وہ لوگوں کو حق کی تعلیم
دے۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ دُنیا کے لوگ عموماً حق کو قبول کرنا
نہیں چاہتے تو اُس نے اُن میں سے ایسے لوگوں کو چُن لیا جو اُسے
قبول کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ اُس کے بارہ رسول تھے۔ پس اُس
نے اپنی ساری توجہ اس طرف کی کہ اُن کو تعلیم دے۔ مگر کیا تعلیم؟
نہ علوم کی نہ تواریخ کی۔ نہ علم تمدّن کی۔ بلکہ خدا اور انسان کی
حقیقت کی۔ اُس نے اُن کو خدا کی حقیقت یعنی اُس کی صفتوں اور
اُس کی ہستی کا حال سمجھایا۔ اُس نے خدا باپ کے بارے میں
اور خود اپنے بارے میں جو ابن اللہ ہے اور رُوح القدس کے
بارے میں جسے وہ اپنے شاگردوں پر بھیجنے والا تھا اُن کو تعلیم
دی۔ اُس نے اُن کو اپنے آپے کے بارے میں بھی جو حقیقت
حال تھی وہ جتائی۔ انسانی طبیعت کی بابت اور اُس کی قابلیّت کی
بابت۔ اُس کی ذمّہ واری کی بابت۔ اُس کی علّت غائی کی بابت
اور اُس کے گناہ کی بابت تعلیم دی۔ اُس نے اُن کو خدا کی

بادشاہت کی بابت جو کہ قائم ہونے والی تھی اور اُس کلیسیا کی بابت بھی جو اُس بادشاہت کی وکالت اور اُس کی تیاری کرے۔ اس حقیقت کی باتوں کو اُس نے تحریر تو نہیں کیا۔ یعنی یسوع مسیح کوئی بات لکھ کر نہیں چھوڑ گیا ہے۔ مگر اُس نے ان حقیقتوں کا نقش چند آدمیوں کے دلوں میں جما کر بٹھا دیا تھا جو برسوں تک اُس کے ساتھ ملتے جُلتے رہے۔ اس عرصے میں وہ اُن کو تربیت کرتا رہا۔ تعلیم دیتا رہا۔ ایسی ویسی باتوں پر ملامت بھی کرتا رہا۔ اُن کی مدد بھی کرتا رہا اور اُن کو شاباش بھی دیتا رہا۔ کلام حق کا یہ ورثہ وہ اپنے ان دوستوں کے ذریعے سے ہمارے لئے چھوڑ گیا ہے۔ جب وہ اس دنیا سے چلا گیا تو اِن شخصوں کو اُن حقیقتوں پر جنہیں وہ ظاہر کرنے آیا تھا گواہی دینے کے لئے چھوڑ گیا۔ اُس نے اپنی موت سے پہلے اُن کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو رُوح القدس کی ایک خاص بخشش عنائت کرونگا تاکہ جو باتیں تم کو میری تعلیم و تربیت سے قدرتی طور پر حاصل ہوئی ہیں اُن میں وہ تمہاری مدد کرے اور اُن کو تمہارے دلوں میں محفوظ رکھے۔ چنانچہ یہ رُوح القدس پنتیکوست کے روز یعنی اُس کے جی اُٹھنے سے پچاس روز کے بعد اُن پر نازل ہؤا اُس نے اِس کے بارے میں اُن سے یہ کہا تھا کہ مددگار یعنی روح القدس تمہیں سب باتیں سِکھائیگا اور جو کچھ میں نے کہا ہے۔ تمہیں سب باتیں سِکھائیگا اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا۔ (یوحنّا ۱۴: ۲۶) ✣

پس حاصل کلام یہ ہے کہ جب مسیح چلا گیا تو رسول اُس کام کے لئے باقی رہ گئے کہ اُس حق کے جو یسوع میں یعنی اُسکے موافق ہے آدمیوں کی ساری نسلوں کے لئے گواہ ہوں ✣

اور یہ گواہی اُنہوں نے کس طرح دی؟ شاید اس کا جواب کوئی یہ دے کہ اُنہوں نے نئے عہد نامے کے صحیفے لکھنے سے یہ گواہی دی۔ ہاں یہ صحیح تو ہے۔ مگر انھوں نے سب سے پہلے یہی گواہی نہیں دی۔ کیونکہ نئے عہد نامے کے صحیفے اس لئے نہیں لکھے گئے ہیں کہ اُس کے پڑھنے والوں کو یسُوع کے بارے میں ابتدائی علم دیں۔ وہ اُن لوگوں کے لئے لکھے گئے تھے جن کو وہ علم پہلے سے حاصل تھا۔ کیونکہ اُن کو اُس کی تعلیم پہلے ہی مل چُکی تھی۔ اگر اس کتاب کے ناظرین نئے عہد نامے میں سے ذیل کی آئتوں کو نکال کر پڑھیں تو اُن کو یہ بات صاف معلوم ہو جائیگی۔ لوقا کی انجیل کے پہلے باب کی چوتھی آئت۔ کرنتھیوں کے پہلے خط کے گیارھویں باب کی دوسری اور تئیسویں آئت۔ اور پندرھویں باب کی پہلی آئت سے چوتھی آئت تک۔ گلتیوں کے نام کے خط کے پہلے باب کی آٹھویں آئت۔ اور عبرانیوں کے نام کے خط کے پانچویں باب کی گیارھویں آئت سے چھٹے باب کی تیسری آئت تک۔ اور پطرس رسول کے دوسرے خط کے پہلے باب کی بارھویں آئت۔ اور یوحنّا رسول کے پہلے خط کے دوسرے باب کی اکیسویں آئت۔ اور یہودا کے خط کی تیسری آئت۔ ان آئتوں سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ نئے عہد نامے

کے صحیفے اُن مرد اور عورتوں کے لئے لکھے گئے تھے جن کو مسیحی دین کی روائتیں (۲ تھِس ۲-۶) اور وہ ایمان جو ایک بار ہمیشہ کے لئے سپرد کیا گیا تھا (یہوداہ ۳) اور ابتدائی باتیں پہلے سکھائی جا چکی تھیں (عبرانیوں ۶-۱)۔ نئے عہد نامے کے صحیفے اس لئے لکھے گئے تھے کہ جو کچھ وہ پہلے سے جانتے تھے وہی اُن کو پھر یاد دلایا جائے۔ وہی باتیں اُن کے دلوں میں پھر یاد آجائیں۔ اور وہ اُن باتوں کو اور زیادہ تر معلوم کر کے اُن میں مضبوطی حاصل کریں تاکہ جن باتوں کی اُنھوں نے زبانی تعلیم پائی تھی اُن کی پختگی اُنہیں معلوم ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ مسیحی دین کی حقیقتوں کے سکھانے کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ جو باتیں کلیسیا میں روائت کے نام سے مشہور تھیں اُن کا خلاصہ لوگوں کو اول اول سوال و جواب کی طرح زبانی بتایا جاتا تھا۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ پہلے مسیحی رسولوں سے زبانی تعلیم پانے میں مشغول رہے (اعمال ۲: ۴۲)۔

اگر کوئی شخص نئے عہد نامے کو غور سے مطالعہ کریگا تو اُس کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ اس قسم کی کتاب نہیں ہے جو لوگوں کو اُن کے اول اول دینی خیالات سکھانے کی غرض سے لکھی گئی ہو۔ لوگوں کو جو باتیں کلاوّل اوّل سکھانی ضرور ہیں وہ وہ ہیں جن کے بارے میں یہ بات مان لی جاتی ہے کہ وہ اُن کو پہلے ہی سے معلوم ہیں۔ مثلاً اب جو کلیسیا کے عقیدے اور سوال و جواب میں شامل ہے۔ یہ باتیں لوگوں کو سکھائی

نہیں جاتیں بلکہ مسلّمہ حقیقتیں جانکر اُن کی طرف صرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ باپ بیٹے اور رُوح القدس کا نام جو ہم کو الہام سے بتایا گیا ہے۔ اور خداوند مسیح کی زندگی کا خلاصہ۔ اور دین کے اخلاقی فرائض۔ اور کلیسیا کی حقیقت۔ اور سکرامنٹ اور اُن کی قدر و منزلت اور عدالت جو ہونے والی ہے۔ ان ساری باتوں کے بارے میں اُن آئتوں سے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے صاف معلوم ہو جائیگا کہ اُن کی بابت یہ خیال دل میں پہلے سے پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ ساری باتیں لوگوں کو پہلے ہی سے معلوم تھیں۔

یہ واقعی بات ہے اور اب ہم اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا منشا یہ تھا کہ آدمیوں کو کتابوں کے وسیلے سے نہیں بلکہ آدمیوں کے وسیلے سے تعلیم دی جائے۔ خود اُس کا طریق جو تھا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس نے اپنے رسولوں کو سکھایا کہ وہ اُس کی گواہی دیں۔ اور یہ نہ کیا کہ وہ خود کچھ لکھ جاتا یا اپنے رسولوں کو سکھاتا کہ وہ لکھیں۔ اس کے علاوہ اُس کا مطلب یہ نہ تھا کہ لوگ اُس کی تعلیم محض خاص خاص معلّموں سے پائیں۔ گو اُن پر کتنا ہی کیوں نہ الہام نازل ہؤا ہو۔ مگر اُس نے ایک کلیسیا بنائی یعنی ایک باقاعدہ جماعت۔ اور یہ فرض اُس کلیسیا کے سپرد کیا کہ جب تک وہ خود دوبارہ نہ آئے وہ کلیسیا سچّائی کی گواہ رہے۔ پس جیسا پولُس رسول نے تیموتھِیُس کے پہلے خط کی تیسرے باب کی پندرھویں آئت میں لکھا ہے یہ وہی کلیسیا ہے جو حق کا ستون اور بنیاد ہے۔

رسولوں کے اعمال کی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ رسولوں نے اس طرح پر بڑی کلیسیائے عامّہ کی شاخیں بہت سے مقاموں میں قائم کر دیں اور عہدہ دار مقرر کر دئے جو اُس کا انتظام درست رکھیں۔ اور کلام حق کو ایک دوسرے کے بعد اَوروں کے سپرد کرتے جائیں۔ جب رسولوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ایک روز ہم کو مر جانا ہے تو اُس کے ساتھ اُن کے دل میں یہ بھی تسلّی ہوتی تھی کہ جو وفادار لوگ اس سچّائی کے کلام کو سکھانے والے ہماری جگہ ہونگے وہ اُس کلام اور کام کو وفاداری کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ چنانچہ پَولُس رسول نے تیمُتھیُس کو جو رسولوں کی طرف سے ایلچی یعنی اُسقف تھا تیموتھیس کے دوسرے خط کے دوسرے باب کی دوسری آئت میں یہ لکھا ہے کہ جو باتیں تو نے بہت سے گواہوں کے سامنے مجھ سے سُنی ہیں اُن ہی کو تو ایسے دیانتدار آدمیوں کے سپرد کر جو اَوروں کو بھی سکھانے کے قابل ہوں۔ فقط اسی کا نام رسولوں کا تسلسل یا جانشینی ہے۔ اس کام سے یہ مطلب مدنظر تھا کہ ہر کلیسیا میں رسولوں کی تعلیم دینے والے ایسے اُستادوں کا سلسلہ سارے پے در پے زمانوں میں قائم رہے کہ جو اختیار والوں کی طرف سے مقرر کئے گئے ہوں اور باقاعدہ تعلیم پائے ہوئے ہوں۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ اس کلام حق کے بارے میں ہے جس کی بنا روائت پر ہے۔ لیکن یہ بات ہر کسی شخص کو معلوم ہے کہ روائت بذات خود کلام حق کی کوئی بڑی مضبوط بنیاد نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ جب تک وہ کلام دو تین پُشتوں تک ایک سے دوسرے

کو پہنچ چکتا ہے۔ تو پھر اُس کی شکل ویسی ہی نہیں رہا کرتی۔ جن میں وہ حق بیان کیا جاتا ہے اُن میں کچھ کرختگی اور تکلف معلوم ہونے لگا کرتا ہے۔ اُس میں الہام کی جانداری نہیں رہتی۔ غیر باتوں اور بیرونی عناصر کے مل جانے سے وہ بگڑ جایا کرتا ہے۔ بعض باتیں جو ایک پُشت کے لوگوں کو سب سے زیادہ پسند ہوتی ہیں۔ اُن پر خاص زور دینے سے اور دوسری باتوں کی طرف سے غفلت کرنے سے کلام حق یکطرفہ ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اگر صرف روائت ہی روائت ہو تو اُس میں ہمیشہ اُس کا خطرہ رہا کرتا ہے کہ جو حق اُس کے وسیلے سے لوگوں کو سکھایا جاتا ہے وہ کرخت۔ بگڑا ہوُا اور یک طرفہ ہو جائے۔ اُس میں ہمیشہ اس بات کی ضرورت رہا کرتی ہے کہ وہ درست کیا جائے۔ اور اگر اُس کا اصل نمونہ خوب اور کامل ہے جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ رسولوں کی تعلیم تھی۔ تو اُس کو ہمیشہ اُس کے ابتدائی نمونے کے موافق سنوارنا ہوُا کرتا ہے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہاں بائبل (یعنی کتاب مقدس) کے کام کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

رسول اور اُن کے دوست جو اُن کی صحبت میں رہے تھے لوگوں کو زبانی تعلیم بھی دیتے تھے اور جب ضرورت ہوتی تھی تو نئے عہد نامے کے صحیفوں کو بھی لکھتے تھے۔ اُن کو کلیسیا نے جمع کر کے ایک کتاب بنالی اور پُرانا عہد نامہ کے نوشتے جو اُن کے پاس موجود تھے ہی نئے عہد نامے کو بھی اُن کے ساتھ ملا دیا۔ پس یہ سارے صحیفے ہمارے پاس موجود ہیں تاکہ جب کوئی مسئلہ یا بات ہم کو دریافت اور تحقیق کرنی ہو تو فیصلے کے لئے ہم اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو کلیسیا کہ زندہ ہے

اُس پر فرض ہے کہ اپنے زمانے کے لوگوں کو خدا کے کلام کی تعلیم دے۔ اور کتاب جو لکھی ہوئی ہے اُس کا کام یہ ہے کہ وہ کلیسیا کی تعلیم کو ہمیشہ پرتالتی اور صحیح کرتی رہے۔ پس کلیسیا کا کام تعلیم دینا ہے اور بائبل یعنی کتاب مقدس کا کام یہ ہے کہ کلیسیا کی تعلیم کو ثابت کرے۔ پُرانی کلیسیا کا ایک معلّم یروشلیم کا اُسقف جس کا نام سِرِل تھا۔ اپنی تعلیم کے اُن واعظوں میں جو وہ سوال و جواب کے طور پر کہا کرتا تھا۔ ایک مقام پر یہ کہتا ہے۔ کہ جو میں تم سے بیان کرتا ہوں اس کو یونہی مان نہ لو جب تک کہ تم اس کا ثبوت مقدّس نوشتوں میں دیکھ نہ لو۔ یہی صحیح طریق ہے کہ اُسقف یا کلیسیا تو تعلیم دیتی ہے اور کتاب مقدس جو کلیسیا کے تمام لوگوں کے پاس موجود ہے وہ اس تعلیم کو ہمیشہ خالص و پاک رکھتی ہے ×

میں دوسرے باب میں تم کو یہ بات بتاؤنگا کہ کتاب مقدّس جو الہامی کتاب ہے کیوں اس قابل ہے کہ ہمیشہ اس سے عدالت اپیل کا کام لیا جائے۔ یعنی وہ کلیسیا کی تعلیم پر اپنا حکم ناطق لگائے۔ غرض یہ کہ میں تم سے دوسرے باب میں کتاب مقدس کے الہامی ہونے کا بیان کرونگا۔ اس باب میں تو میں مختصر طور پر صرف یہ بات بتانی چاہتا ہوں کہ ساری کتاب مقدس اور خاص کر نئے عہد نامے کے صحیفے تعلیم دینے والی کلیسیا میں کیا کام انجام دیتے ہیں۔ یعنی اس باب میں میں نے تم کو صرف یہ بات سمجھائی ہے کہ ہم مسیحی جس تعلیم حق کو مانتے ہیں وہ صرف ایک بنیاد پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ دو بنیادوں پر مستحکم ہے۔ وہ نہ صرف روائتوں پر مبنی ہے۔ بلکہ روائتوں اور کتاب مقدس پر۔ دو پر

بھی نہیں بلکہ تین بنیادوں پر قائم ہے کیونکہ رُوح القدس کا مسح جو ہم کو دیا گیا ہے وہ بھی تو ایک بنیاد ہے۔ ہم کو نہیں چاہیئے کہ اُس کو بھول جائیں۔ کیونکہ رُوح القدس کا یہ مسح ہر مسیحی کی ذات خاص کو روشنی بخشتا ہے۔ پس یہ تین چیزیں خدا کی پہچان کو مسیحیوں کے اندر قائم رکھتی ہیں۔ صرف ایک اکیلی شے اس بات کے لئے کافی نہیں بلکہ تینوں یعنی کتاب مقدّس اور کلیسیا اور ہر شخص کی تمیز یا کانشنس ×

اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا ہم کو کلیسیائے انگلستانی کا بڑا شکرگزار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ گو اُس میں بعض نقص بھی ہوں تو بھی اُس نے کلیسیائے عامہ کی اور ساری شاخوں کی نسبت ان تینوں کے اختیار کو زیادہ تر باہم قائم رکھ چھوڑا ہے۔ اوّل کلیسیا کے اختیار کو۔ دوم بائبل یعنی کتاب مقدس کے اختیار کو۔ سوم ہر شخص کے تمیز کے اختیار کو۔ رومی کلیسیا ان تینوں میں سے ایک کے اختیار یعنی کلیسیائی روائت کو بڑا سمجھتی ہے۔ اور پروٹسٹنٹ کلیسیا کی ساری شاخیں ان تینوں اختیاروں میں سے دو یعنی بائبل اور تمیز کے اختیار کو زیادہ مانتی ہیں۔ مگر کلیسیائے انگلستانی اُس کلیسیا کی طرح جو ابتدائی زمانے میں تھی ان تینوں اختیاروں کو باہم قائم رکھتی ہے۔ سب سے اول تو وہ ہم کو روائتوں کی تعلیم دیتی ہے جس طرح کہ وہ عقیدوں اور نماز کی کتاب کے سوال و جواب میں درج ہیں۔ اور اُن کے بعد کتاب مقدس کو کھول کر ہمارے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ حق حق باتوں کی تعلیم تم کو پہلے مل چکی ہے۔ اُنکی زیادہ تر

واقفیت کتاب مقدّس سے حاصل کرکے اور زیادہ ترقی کرتے جاؤ۔ اور جب وہ یہ چاہتی ہے کہ اُس کے سارے بچّے خدا کے کلام کی اس طرح زیادہ تر واقفیت حاصل کریں۔ تو اس سے اُس کا مقصد یہ ہے کہ جو کلیسیا کی تعلیم جاری ہے اُس پر بائبل کی واقفیت کا اثر برابر یہ ہوتا رہے کہ جس صورت میں لوگ نوشتوں کی تلاش وتحقیق میں رہیں گے تو کلیسیا کی تعلیم جو جاری ہے وہ خالص رہیگی اور لوگ اس بات کو دیکھتے رہیں گے کہ جو باتیں وعظوں اور سوال و جواب کے طریق سے ہم کو سکھائی جاتی ہیں وہ درحقیقت خدا کے کلام میں موجود ہیں یا نہیں ✤

گیارھواں باب

پاک نوشتوں کے الہام کے بارے میں

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ بائبل یعنی خدا کا کلام ہمارے لئے ہمیشہ روحانی حقیقتوں کی ایک کسوٹی یا معیار ہے۔ کیونکہ ہم ہمیشہ وقتاً فوقتاً جب ضرورت پڑتی ہے تو اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تاکہ نوشتوں میں تلاش کریں کہ جو باتیں خدا اور انسان کے بارے میں ہم سُنتے اور پڑھتے ہیں وہ حقیقتاً ایسی ہی ہیں یا نہیں۔ اور ہم بائبل کو روحانی حقیقتوں کی کسوٹی ہمیشہ کے لئے اس وجہ سے مانتے ہیں کہ اُس کو اُن آدمیوں نے لکھا ہے جن کو الہام ہؤا تھا۔ ہم ذرا اور زیادہ تر غور کریں

کہ اس بات سے کیا مراد ہے۔ پس ہم اول رسولوں کا ذکر شروع کرتے ہیں ✤

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول وہ شخص تھے جنہوں نے اس امر کی تربیت پائی تھی کہ وہ گواہ ہوں۔ اور جب تم کو یہ ضرورت ہو کہ جو شخص مسیحی مذہب کے صحیح ہونے میں شک وشبہ کرتا ہے اُس کو قائل کرنے کی کوشش کرو۔ تو تم کو مناسب نہیں ہے کہ تم بائبل کے مصنفوں کے الہامی ہونے کے بارے میں اُس شخص کے ساتھ بحث و مباحثہ کرو۔ مگر تمہیں اُس کو صرف اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے کہ رسولوں نے جو کچھ کہ دیکھا اور سنا تھا اُس کے وہ معتبر گواہ تھے۔ اور اُنکی گواہی نئے عہد نامے میں ہمارے پاس اب تک موجود ہے۔ ہاں جو لوگ کہ مسیحی ہو چکے ہیں وہ تو رسولوں کو گواہ بھی جانتے ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ مانتے ہیں ✤

جو شخص کہ رُوح القدس کو نہیں مانتا۔ جسے مسیح نے کلیسیا کے اندر اپنا قائم مقام ہونے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ خود مسیح پر بھی کبھی یقین نہ لا سکیگا۔ دیندار مسیحیوں میں جو کچھ کہ خوبی ہوتی ہے جس کے باعث سے وہ اَور آدمیوں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں۔ اور جو باتیں کہ لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کی طرف رجوع کرتی ہیں یہ سب اُسی رُوح القدس کا کام ہوتا ہے۔ یہی رُوح سارے مسیحی لوگوں کے دلوں میں بستا ہے اور اُن کے اندر اپنا اثر پھونک دیتا ہے۔ اسی کا نام الہام ہے لیکن یہ رُوح سارے مسیحی لوگوں کو ایک ہی سا الہام نہیں بخشتا۔ خدا کے کلام میں ایک مقام پر یہ آیا ہے کہ رُوح کی نعمتیں طرح طرح کی ہیں

(۲ کرنتھیوں ۱۲: ۴)۔ الہام کی سب سے اعلےٰ بخشش رسولوں ہی کو ملی تھی۔ مقدّس یوحنّا رسول اپنی انجیل کے چودھویں باب کی چھبیسویں آیت میں یہ لکھتے ہیں کہ ہمارے خداوند نے اپنی موت سے پہلے اُن سے یعنی رسولوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا۔ اسی وجہ سے مقدّس یوحنّا نے اپنے آپ کو ملہم سمجھا۔ چنانچہ اُس نے کتاب مکاشفہ کے اول باب کی دسویں آئت میں یہ لکھا ہے کہ خداوند کے دن مَیں رُوح میں آگیا یعنی مجھے الہام ہؤا۔ اور اسی وجہ سے مکاشفے کے بائیسویں باب کی اٹھارھویں اور اُنیسویں آئتوں میں وہ اپنے پیغام یا نبوّت کے بارے میں یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ وہ اپنے ایک خط کے شروع میں بھی اس طرح لکھتا ہے کہ "اُس سے سنکر جو پیغام ہم تمہیں دیتے ہیں" وہ بیشک الہی اختیار سے دیا جاتا ہے (۱یوحنّا ۱: ۱ سے ۵ تک)۔ بالکل اسی طرح مقدّس پَولُس بھی گلتیوں کے خط کے پہلے باب کی گیارھویں آئت سے سولھویں تک یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ میں جو منادی کرتا ہوں اُس کا یسوع مسیح کی طرف سے مجھے مکاشفہ ہؤا ہے یعنی بذاتہ خاص خدا نے مجھے بخشا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ تھسلونیکی مسیحیوں کی تعریف کرتا ہے کہ اُنہوں نے اُس کے پیغام کو آدمیوں کا کلام سمجھ کر نہیں بلکہ جیسا حقیقت میں ہے خدا کا کلام جان کر قبول کیا۔ (۱ تھسلونیکیوں ۲: ۱۳) کبھی کبھی پولُس کوئی ایسی بات بھی بیان کر دیا کرتا ہے جو اُس کی اپنی ذاتی رائے سے متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً اُس نے یہ لکھا ہے

کہ مسیحی شخص کے لئے جب کہ وہ ایک خاص مشکل کی حالت میں ہو تو شادی کرنے کی نسبت بے شادی رہنا بہتر ہے۔ اور جب کبھی ایسی صورت میں وہ کچھ کہتا ہے تو صاف صاف لکھ دیا کرتا ہے کہ میں جو یہ کہتا ہوں خداوند کی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اپنی طرف سے (۱۔ کرنتھیوں ۷: ۶: ۱۲: ۲۵)۔ وہ اپنی ذاتی رائے اور خداوند کے حکم میں جو اس طرح امتیاز کرتا ہے۔ اس سے جہاں کہ وہ یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ میں فلاں بات خدا کے الہام کی رو سے بیان کرتا ہوں اُس کا دعوےٰ اَور بھی زیادہ اعتبار کے لائق ہو جاتا ہے۔

پس رسولوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہم کو خدا کے وعدہ کے موافق اپنی ذات خاص میں الہام ہؤا ہے۔ اس لئے ہم خدا کے کلام کے ایسے سکھانے والے ہیں جن کو خدا کی طرف سے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس لئے ہماری تعلیم بالکل معتبر ہے۔ اور مسیحی کلیسیا جو ابتدا میں تھی وہ چونکہ رسولوں سے اُن کی آزمائشوں اور تکلیفوں کی حالت سے بذات خود واقف تھی اس لئے جو دعوےٰ انہوں نے کیا اُس کو اُس نے تسلیم کیا۔ اور اُس وقت سے لیکر اب تک نسلاً بعد نسلاً مسیحی کلیسیا کے لوگ رسولوں کے دعوے کو برابر پرکھتے چلے آئے ہیں اور صحیح پاتے رہے ہیں۔ الہام کے بارے میں کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں جس کا ہم لوگوں پر جو کلیسیا کے رُکن ہیں ماننا واجب ہو۔ مگر کلیسیا کا یہ ایمان یا یقین ایک نسل سے دوسری نسل کو برابر ورثہ میں پہنچتا چلا جاتا ہے کہ رسولوں کو درحقیقت الہام ہؤا تھا اور جو مسیحی دعا مانگنے کی عادت رکھتے ہیں اُن کے دلوں اور عقلوں میں یہ ایمان برابر سچّا ثابت ہوتا

چلا آتا ہے ؛

یہ مسیحی الہام صرف بارہ رسولوں ہی کو نہیں ہؤا تھا۔ بلکہ اُنکے ساتھ بعض اَور شخص بھی تھے جن کو الہام ہؤا اور وہ نبی کہلاتے تھے۔ مثلاً برنابا اور اپلّوس (اعمال ۱۱: ۲۴+۱۳: ۱-۱ اکرنتھیوں ۳: ۴-۶—)۔ ایک ایسے ہی رسولی شخص نے عبرانیوں کے نام کا وہ خط لکھا ہے جو نئے عہد نامے میں ہماری تعلیم و نصیحت کے لئے شامل ہے۔ اور رسولوں کے خاص رفیقوں نے ہمارے لئے وہ دو انجیلیں تحریر کی ہیں جو مُقدس مرقُس اور مقدس لوقا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور رسولوں کے اعمال کی کتاب بھی لوقا انجیلی ہی کی تحریر ہے۔ عبرانیوں کے نام جو خط ہے اُس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ رسولانہ اختیار کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اور مسیحی کلیسیا شروع زمانے سے رسولی کتاب کی طرح اس کا برابر ادب کرتی رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلیسیائے عامہ کا جس قدر ایمان کہ ہمارے خداوند مسیح پر اُس کے سردار کاہن ہونے کے بارے میں ہے اس کا بڑا ماخذ عبرانیوں کے نام کا خط ہی ہے۔ مقدّس لوقا اپنی انجیل کی تمہید میں تو صرف اس بات کا دعوے کرتا ہے کہ میں نے اپنی انجیل کو صحت کے ساتھ لکھا ہے اور مجھے اُس کے احوال کو نہائت اچھی طرح سے جاننے کا پورا پورا موقع حاصل ہؤا ہے۔ مگر تاہم وہ اپنی انجیل کا دار مدار رسولوں کی الہامی گواہی پر رکھتا ہے۔ اور ہم اس بات میں کچھ شک نہیں کر سکتے کہ ہر زمانے کی کلیسیا جو مقدّس لوقا اور دوسری

مرقُس کے بارہ میں یہ بات مانتی چلی آئی ہے وہ درست ہے۔ کہ انہوں نے اپنی انجیل کے بیانات کے لئے جو مصالح جمع کئے وہ سب سے بہتر تھے۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں گھڑی ہے۔ اور علاوہ ان باتوں کے اُن کو خدا کی طرف سے رُوحُ القدس کی ایک خاص بخشش عنائت ہوئی تھی جس کے باعث سے وہ انجیل لکھنے کے قابل بنے ؛

یہاں تک تو ہم نے نئے عہد نامے کے الہامی ہونے کا حال بیان کیا۔ اب ہم پرانے عہد نامے کے الہام کے بارے میں کچھ کہیں گے۔ نئے عہد نامے کے الہامی ہونے کا یقین اول اول اس وجہ سے زیادہ تر آسانی کے ساتھ پیدا ہو گیا کہ جو لوگ ابتدا میں مسیحی ہوئے اُن کو اس بات کا ایمان پہلے ہی سے تھا کہ ایسی کتابیں موجود ہیں جن کو ملہم شخصوں نے لکھا ہے۔ یعنی وہی پُرانے عہد نامے کے صحیفے۔ چنانچہ پَولُس مقدّس نے تیموتھیُس کے نام کے دوسرے خط کے تیسرے باب کی سولویں آئت میں پرانے عہد نامے کی طرف اشارہ کر کے یوں لکھا ہے کہ ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے وغیرہ۔ اس کے قطع نظر ہمارے خداوند نے خود جو الفاظ پُرانے عہد نامے کے بارے میں اپنی زبان سے فرمائے اُن سے ایماندار مسیحیوں کے دلوں میں کچھ شک نہیں رہتا کہ پُرانے عہد نامے کی ساری کتابیں درحقیقت الہامی ہیں اور اُن میں خدا کا کلام درج ہے۔ اس بارے میں مقدّس لوقا کی انجیل کے چوبیسویں باب کی چھبیسویں[۲۶]۔ ستائیسویں[۲۷]۔ چوالیسویں[۴۴] اور پینتالیسویں[۴۵] آئتیں اور مقدّس مرقس کی انجیل کے ساتویں باب کی

تیرھویں آئت اور مقدس متی کے پانچویں باب کی اٹھارھویں آئت خاصکر غور کے لائق ہیں +

پُرانے اور نئے عہدنامے دونوں میں مختلف قسم اور مختلف درجے کے الہام پائے جاتے ہیں۔ جو نبی کہ خداوند کے کلام کو نہائت صحیح طور سے بیان کرنے کا دعوےٰ کرتے ہیں اُن کا الہام سب سے اعلےٰ قسم کا ہے۔ یہ نبی ایک دوسرے سے بڑی مختلف قسموں کے شخص تھے۔ اور سب کے سب اپنے اپنے مختلف طریق پر ایسے آدمی تھے جنسے غلطی ہونے کا امکان ہؤا کرتا ہے۔ مگر اُنہوں نے خدا کے بارے میں بہت سی صحیح باتیں لوگوں کو سُنائیں۔ خدا کی قدوسیت کے بارے میں اور اس امر کی نسبت کہ آدمیوں پر اُس کے کیا کیا حق ہیں اور انسان کی قوموں کے ساتھ اُس نے کیا کیا اور کس کس طرح سلوک کیا ہے اور جو اُس کی چُنی ہوئی قوم ہے اُس کے بارے میں اُس کے کیا کیا مقصد اور ارادے ہیں اور اس بات میں بھی کہ مسیح کے وسیلے سے یہودیوں اور کل بنی آدم کے لئے نجات کا سامان پیدا کرنے کے بارے میں اُس کا کیا ارادہ ہے اور اب جو سینکڑوں برس گذر گئے ہیں تو ہم کو تحقیق طور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو دعوےٰ اُسکا الہام ہونے کے بارے میں ہے وہ صحیح اور درست تھے۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح اور اُس کے رسولوں اور کلیسیا نے تصدیق کر لیا اور صحیح مان لیا ہے۔ اُن میں جو نبوت کی باتیں ہیں وہ مسیح کی گواہیاں ہیں (مکاشفہ ۱۹-۱۰) اور جیسا کہ پطرس کے دوسرے خط کے پہلے باب کی اکیسویں آئت میں لکھا ہے۔ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی رُوح القدس کی تحریک کے سبب

خدا کی طرف سے بولتے تھے اور جب ہم مزامیر کو غور سے پڑھتے اور اُن کے الفاظ میں اُس کی حمد کرتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ باوجود ایسے چند نقصوں کے جو پرانے عہد کے زمانے سے مخصوص ہیں۔ مثلاً بعض مزامیر میں ہم دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کے لئے خاص بددعائیں کی گئی ہیں[ا]۔ تاہم جس رُوحانی زندگی کی تصویر اُن مزامیر میں معلوم ہوتی ہے وہ ایسی اعلےٰ اور عمیق اور وسیع ہے کہ خدا کے رُوح پاک کے سوا اور کسی وسیلے سے نہیں کھینچی جا سکتی۔ اس بارے میں اَور کوئی شہادت اُس سے بڑی نہیں ہو سکتی۔ جو ہر زمانے کے مقدس لوگوں کی مزامیر کی بابت دیتے رہے ہیں۔ اور اب بھی دیتے ہیں +

پُرانے عہدنامے میں جو تاریخ کی کتابیں ہیں اُن میں الٰہی تعلیم کا موجود ہونا ہم کسی قدر اَور طور پر مانتے ہیں۔ پیدائش کی کتاب میں جو دنیا کے پیدا ہونے کا بیان لکھا گیا ہے وہ بُت پرست قوموں کی باطل روائتوں کی طرح جھوٹی زٹلیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسا احوال ہے جو ساری رُوحانی باتوں کے اعتبار سے ہمیشہ کے لئے صحیح ہے کہ ایک واحد خدا نے ساری چیزوں کو بنایا۔ اور ساری چیزیں اپنی اصلی ذات اور استعمال کے اعتبار سے بہت اچھی ہیں۔ اور انسان کی واقعی ذلت جو اُس کے گر جانے یعنی گناہ کرنے سے صادر ہوئی ہے وہ اُس کی

[ا] مگر یاد رہے کہ دشمنوں کے حق میں یہ بددعائیں جو مزامیر میں پائی جاتی ہیں اگرچہ مسیحی اخلاق کے درجے سے گری ہوئی تو ہیں جیسا کہ لوقا کی انجیل کے نویں باب کی چوّن اور پچپن اور چھپّن آئت سے معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ان سے الٰہی عدالت یا انصاف کے بارے میں بڑی صحیح بات دریافت ہوتی ہے چنانچہ لوقا کی انجیل کے اٹھارھویں باب کی ساتویں آئت اور اعمال کے پہلے باب کی بیسویں آئت کو دیکھو +

پیدائش سے نہیں بلکہ اُس کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ اور اگرچہ انسان اپنی گناہ کی حالت میں گرفتار رہے تاہم خداوند کریم کی مدد اُس کے ساتھ ہے جس کے وسیلے سے خدا کا راستباز اور محبّت آمیز مقصد جو انسان کے بارے میں ہے وہ آہستہ آہستہ پورا ہوتا جاتا ہے۔ اس الہام کی صحت میں ہمارے اس بات کے ماننے سے کچھ فرق نہیں آتا کہ بعض مقاموں پر وہ بیان جس کے ذریعے سے یہ الہام ہم تک پہنچا ہے۔ لفظ بہ لفظ تاریخی بیان نہیں ہے بلکہ ایک ایسی تاریخ ہے جو استعارے کے لباس میں ہم کو پہنچی ہیں۔ عبارت کی جو باتیں اَور تاریخوں میں ہؤا کرتی ہیں وہی سب پُرانے عہد نامے کی تاریخ میں بھی برتی گئی ہیں۔ اُس میں استعارے اور تمثیلیں بھی ہیں۔ روائتیں بھی ہیں۔ جو گیت لوگوں کے زبان زد ہوتے ہیں وہ بھی موجود ہیں۔ خالص تاریخی حالات بھی مندرج ہیں اور اخلاقی نصیحتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر ان ساری تحریروں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خدا کے الہام کا سلسلہ پھیل رہا ہے۔ اس وجہ سے جو کچھ ان تاریخوں میں درج ہے اُن سب سے کوئی نہ کوئی راستی کا مقصد نکلتا ہے۔ اور وہ انسانی شیخی کو ظاہر کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ خدا کے انتظام اور کارسازی کو بتاتی ہیں۔ اب رہے ایسی قسم کے صحیفے جیسے کہ واعظ یا امثال یا ایوب کے صحیفے ہیں۔ اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قدیم زمانے کے آدمی کائنات اور انسانی ہستی کے رازوں پر غور و فکر کرتے تھے تو اُن کے خیالوں کو خدا کا رُوح کس طرح سے اپنے سائے کے تلے رکھتی اور اُن کی ہدائت کرتا تھا۔ ان سب کا

حاصل یہ ہے کہ اگلے زمانے میں خدا نے باپ دادوں سے حصّہ بحصّہ اور طرح بطرح کلام کیا (عبرانیوں ۱-۱) کلام کرنے والا خدا کا رُوح ہی تھا۔ پس ہم مانتے ہیں کہ پُرانے عہد نامے میں بھی خدا کا کلام درج ہے۔ اور خدا کے اس کلام یا پیغام کا ظہور اُس وقت سب سے اعلےٰ اور سب سے پورے اور سب سے گہرے درجے کو پہنچا جبکہ وہ مسیح موعود کے مکاشفے میں اور اُس کے رسولوں کے الہام میں ظاہر ہؤا۔

مقدّس کتابوں کے الہام کے بارے میں ہر زمانے کے مسیحیوں کا عام ایمان یہی رہا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ آدمیوں نے بارہا کوشش کی ہے کہ پُرانے اور نئے عہد ناموں کے مصنفوں کو جو خدا کی طرف سے الہام ہؤا ہے۔ اُس کی صحیح صحیح تعریف قائم کریں۔ مگر اس میں وہ کبھی پورے کامیاب نہ ہوئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس بارے میں کسی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ الہام اور اُس کی ماہیت اور اُس کی حدود کی بابت اپنی رائے یا اپنا اعتقاد اوروں کے لئے ہی مستند ٹھیرا دے۔ مگر ہم نے جو اس مضمون میں بیان کیا ہے۔ وہ الہام کی کیفیت کو ایک عام طور سے ظاہر کر دیتا ہے۔ اور یہی ہمیشہ سے اس کے بارے میں لوگوں کا یقین رہا ہے۔ ہم جو اس زمانے کے لوگ ہیں اس مسیحی ایمان کو اَوروں سے حاصل کر کے اُن کی رائے کا اعتبار کریں۔ اور خود اُس کو کسوٹی پر لگا کر اپنے لئے ثابت کر لیں۔ اور جتنی باتیں کہ رُوح سے معلوم ہوئی ہیں۔ یعنی جو ایمان اور اخلاق کی کہلاتی ہیں۔ اُن کی بابت ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ ہماری تمیز اور دل خود ہمارے اس یقین کو درست اور صحیح ٹھیراتے ہیں۔

ہم بائبل یعنی کتاب مقدّس میں سے اپنے لئے کوئی علیحدہ مذہب نکالنے کے درپے نہ ہوں۔ اُس کتاب سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے یہ کام لیا جائے۔ مگر کلیسیا کا جو عقیدۂ عام ہے اُس کی تعلیم قبول کر کے ہم بائبل سے ہمیشہ یہ فائدہ اُٹھائیں کہ اپنے نہائت پاک ایمان کے علم میں اپنے آپ کو بڑھاتے چلے جائیں ؛

بارھواں باب

کلیسیا جو خدا کے فضل کا گھرانہ ہے

یہ بات پہلے سے ظاہر کر دی گئی ہے کہ وہ کلام حق جس سے لوگوں کو گناہوں سے نجات حاصل ہوتی ہے وہ خدا کی ایک بخشش ہے جو انسان کو یسوع مسیح میں یعنی اُس پر ایمان لانے سے دی جاتی ہے۔ اور آدمیوں کو فرداً فرداً یعنی ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ نہیں دی جاتی بلکہ اُن کو اس حیثیت سے دی جاتی ہے کہ وہ اُس جماعت یا کلیسیا کے رُکن ہیں جن کو وہ کلام حق اس لئے سپرد کیا گیا تھا کہ آئندہ نسلوں کو دست بدست پہنچاتے چلے جائیں۔ یہ بات انسانی طبیعت کے مطابق ہے۔ مثلاً شائستگی کی برکتیں اور علم کی بخشش۔ اور دولت اور شخصی آزادی کی نعمتیں۔ یہ سب انسانوں کو صرف اسی طرح حاصل ہوتی ہیں کہ وہ ایک نسل یا ریاست یا قوم کے شریک ہیں۔ اسی طرح مذہب کی برکتوں اور روحانی سچائی اور فضل کی بخششوں کا وعدہ

بھی صرف اُن ہی کے لئے ہے جو بڑی مسیحی جماعت یعنی کلیسائے عامّہ کی شریک ہیں ؛

دین مسیحی کا جو کلام حق ہے اُس کے بارے میں تو یہ کیفیت تم پر ظاہر ہو چکی ہے۔ مگر خدا کے فضل اور مہربانی کی برکتیں جو یسوع مسیح پر ایمان لانے سے عنائت ہوتی ہیں اُن کے بارے میں بھی یہ امر اسی قدر صحیح ہے مسیح کی کلیسیا خدا کا گھرانہ کہلاتی ہے۔ اس کے معنے یہی ہیں کہ اُس میں اس فضل کا ایک خزانہ بڑی کثرت کے ساتھ جمع رہتا ہے ؛

جب ہم یہ لفظ کہتے ہیں کہ وہ ایک گھرانہ یا گھر ہے تو اُس کا مطلب ہر شخص کے ذہن میں صاف طور پر آجاتا ہے۔ گھر میں ہر شخص آرام حاصل کرتا۔ بے تکلف چلتا پھرتا۔ سارا سامان مہیّا ہوتا۔ اور جو روزمرّہ کی ضرورتیں ہیں وہ سب بہم پہنچتی ہیں۔ ان فائدوں کے علاوہ اگر کوئی گھر اس لائق ہو کہ اُسے گھر کہیں تو اُس میں امن و امان بھی ہونا چاہیئے۔ ہر چیز قرینے اور ترتیب کے ساتھ پائی جائے اور قواعد اور انتظام کی پابندی ہو۔ اسی طرح جب کلیسیا کو بھی خدا کا گھرانہ یا گھر کہتے ہیں تو وہ ساری باتیں جو گھر سے متعلّق ہیں اُس میں بھی شامل سمجھی جاتی ہیں۔ پس جب کوئی شخص کلیسیا میں داخل ہوتا ہے تو وہاں آکر ایک تو اُس کی تنہائی جاتی رہتی ہے۔ دوسرے جس طرح خاندان کے اندر ہوتا ہے اُس کی ضرورتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اور آپس کی یگانگت اور صحبت کی ہمدردی اور محبّت کا لطف اُس کو مل جاتا ہے ؛

ہاں! درحقیقت آپس کی صحبت اور یگانگت میں عجب ہی مزہ ہے
اس لئے اس بات کا بڑا خیال رہے کہ ہماری ساری کلیسیاؤں میں
جہاں تک ممکن ہے گھرانے کی سی کیفیت اور خوبو قائم رہے۔ چاہیئے
کہ کلیسیا کے شریک اپنے اپنے دلوں میں یہ بات معلوم کریں کہ ہماری
تنہائی جاتی رہی ہے۔ خدا کا جو مطلب ۶۸ مزمور کی چھٹی آئت سے پایا
جاتا ہے کہ وہ تنہاؤں کو گھرانے والا کرتا ہے۔ وہ ہر کلیسیا کے
بارے میں پورا ہونا چاہیئے۔ خواہ وہ کسی طریق سے کیوں نہ ہو۔

مگر کلیسیا میں اس کے شریکوں کو نہ صرف ایک ہی بات
حاصل ہوتی ہے کہ آپس کی صحبت اور یگانگت کا لطف آتا ہے بلکہ
اس سے بھی ایک بڑی رفاقت اور صحبت ملتی ہے۔ یوحنا رسول
نے اپنے پہلے خط عام کے پہلے باب کی تیسری آئت میں اُس خط
کے پڑھنے والوں کو یوں لکھا ہے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا اور سُنا
ہے تمہیں بھی اُس کی خبر دیتے ہیں۔ تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو۔
اور یہ شراکت وہ ہے جو انسانوں کو آپس کی صحبت اور یگانگت
سے ملتی ہے۔ مگر رسول نے ان لفظوں پر مضمون ختم نہیں کر دیا بلکہ
یہ بھی لکھا کہ ہماری شراکت باپ کے ساتھ اور اُس کے بیٹے یسوع
مسیح کے ساتھ ہے۔ بس اب ہم اس بات کی تہ تک پہنچ جاتے
ہیں۔ اور اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیح کی کلیسیا بیشک
خدا کا گھرانہ ہے کیونکہ جب ہم اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو
انسانوں کی صحبت اور رفاقت کے ذریعہ سے خدا رُوح القدس
ہم کو مسیح کی ساری برکتیں بہم پہنچا دیتا ہے۔ یعنی کہ خاص الٰہی زندگی

کی برکتیں ہم کو عطا ہو جاتی ہیں۔

زندگی کی روٹی جس کا ذکر یوحنا رسول کی انجیل کے چھٹے باب
کی پینتیسویں آئت میں ہے وہ برکت ہے جو مسیح اپنے لوگوں کو بخشتا
ہے۔ اور جس طرح کہ گھرانوں میں دستور ہے یہ روٹی ہم کو مقرر وقتوں
اور مقرر موسموں پر دی جاتی ہے۔ کلیسیا میں انسان کی حاجتوں کے
لئے ایک بڑا کافی و وافی سامان موجود ہے۔ یہ عمدہ سامان ہر وقت
کے لئے مہیّا ہے۔ جب سے ہماری زندگی کا آغاز ہوتا ہے اُس وقت
سے لیکر جب تک کہ ہم دُنیا سے رحلت کرتے ہیں۔ غرض ہماری
زندگی کا جو زمانہ ہے اُس کے ہر وقت پر جیسا کہ لوقا کی انجیل کے
بارھویں باب کی بیالیسویں آئت میں لکھا ہے کلیسیا ہماری خوراک
کا حصّہ ہم کو وقت پر دینے کو تیار ہے۔

جس طرح کہ دُنیا کی زندگی کا شروع ہماری پیدائش کا وقت
ہوتا ہے۔ اسی طرح ہماری مسیحی زندگی کی ابتدا میں ہم پانی اور رُوح
سے از سرِ نو پیدا ہوتے ہیں (یوحنا ۳-۵)۔ جن شخصوں کے والدین
مسیحی خاندان کے عضو ہوتے ہیں۔ یا جن شخصوں کے واسطے کلیسیا خود
والدین کا فرض اپنے ذمّے لیتی ہے اُن کی دُنیوی پیدائش اور مسیحی
نئی پیدائش دونوں ایک ہی وقت کے قریب ہؤا کرتی ہیں۔ جب وہ
ننھّے بچّے ہی ہوتے ہیں تو بپتسمہ کے ذریعے مسیح کے اعضاء اس لئے
بن جاتے ہیں کہ ہمارے ہوش و حواس اور عقل و فہم کی ابتدا ہی سے
مسیح کی زندگی ہمارے ساتھ ہے اور تقدیس کرے۔

پھر جوں جوں کہ وہ بچّہ بڑا ہوتا جاتا ہے اُس میں آزادانہ زندگی

بھی شروع ہوتی جاتی ہے۔ اور جب وہ بچپن سے لڑکپن کی حالت میں پہنچتا ہے تو زندگی کے اس نئے زمانے کے لئے اُسے ایک نئی برکت ملتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں جو دین پر مستحکم ہونے کی رسم ادا ہوتی ہے اس سے وہ رُوح القدس کی نعمت سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور اب اُس کو خداوند یسُوع مسیح کی کہانت اور بادشاہی میں اُس کا مناسب مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اب سے اُس کو برابر رُوحانی غذا ملنے لگتی ہے۔ کیونکہ جس طرح جسم کی زندگی قائم رکھنے کے لئے انسان وقت مقررہ پر کھانا کھاتا ہے۔ اسی طرح رُوح کی زندگی بھی پاک شراکت میں مسیح کے جسم و خون سے یعنی اُس کے انسانی اور الٰہی جوہر سے متواتر غذا پاتی رہتی ہے۔ یہ رُوحُ القدس کی سب سے بڑی برکتیں ہیں۔ مگر ان کے سوا اَور بھی برکتیں ہیں ❊

شائد کسی مسیحی کی رُوح کا ایسا بُرا حال ہو گیا ہو کہ گناہ نے اُس کو بالکل تباہ کر ڈالا ہو۔ اور شاید کوئی مسیحی ایسا ہو کہ وہ خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے میں بالکل غافل ہو گیا ہو۔ شاید کوئی شخص مسیح میں پیوند ہو جانے کے بعد پھر قصوروں اور گناہوں میں مبتلا ہؤا اور اُس کی رُوح مُردہ ہو گئی ہو۔ تو ایسی اشد خرابی کی اصلاح کے لئے اُس شخص کو پھر سنوارنے اور بحال کرنے والی برکت بھی کلیسیا میں موجود ہے۔ یعنی جب کسی شخص کی رُوحانی کشتی دنیا اور گناہ کے موجزن سمندر میں ٹکریں کھا کر برباد ہو جائے تو اُسی ٹوٹی پھوٹی کشتی کے ایک بچے کھچے تختے پر وہ ڈوبتی ہوئی رُوح پناہ لیکر پھر امن کے کنارے پر آ سکتی ہے۔ اس طرح کہ گنہگار شخص اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ اپنے آپ کو کلیسیا کے

فتوے کے سپرد کرکے جیسا کہ نماز کی کتاب کے مسائل دین کے تیئیسویں مسئلے میں اور نیز وعید کے بیان میں درج ہے ریاضت اختیار کرے۔ تو بگڑا ہؤا فرزند توبہ کرکے پھر جس طرح اپنے گھر میں آملتا ہے وہ بھی گناہوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کلمہ سنایا جانے کے بعد کلیسیا کی پاک رفاقت میں پھر خوشی کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ پھر جب کسی مسیحی جوان کی عمر بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اب اُس کی تکمیل کے لئے یہ ضرور ہے کہ کسی عورت کے ساتھ اُس کی یگانگت ہو کر دونو کا ایک جسم بن جائے۔ تو بھی کلیسیا تیار ہے کہ اس مرد اور عورت کی یگانگت کی تقدیس کرے اور اپنی برکت کے ساتھ پاک نکاح کے وسیلے سے ایک نئے گھرانے کی بنیاد ڈالے۔ ایک اَور بات یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص اس کام کے لئے بُلایا جاتا ہے کہ خدا کے گھرانے یعنی کلیسیا میں مختاری کا اعلےٰ عہدہ اپنے ذمّے لے۔ تاکہ زندگی کی وہ روٹی جس کے کھانے سے وہ خود جیتا رہتا ہے اَوروں کو دیا کرے۔ تو اس کام کے لئے بھی کلیسیا پاک تقرر کے وسیلے سے اُس کو اس نئی خدمت کے لئے اختیار اور طاقت دیتی ہے۔ آخر کام یہ ہے کہ جب کسی مسیحی پر کوئی سخت بیماری آئے تو کلیسیا رسُولی زمانے کے دستور کے موافق جس طرح کہ یعقوب رسول کے خط کے پانچویں باب کی چودھویں آئت میں لکھا ہے۔ پاک تیل سے اُس کا مسح کرکے اُس کا علاج کرنے کے لئے موجود ہے۔ اور اگر اس رسم کا رواج وہاں سے اُٹھ گیا ہو تو کلیسیا اُس کے لئے اَور پاک خدمتیں بجا لانے کو تیار رہتی ہے۔ اور اگر اُس بیماری کا انجام موت ہو تو کلیسیا جس کا دل اُس کی

طرف سے حیات ابدی کی اُمید کے بارے میں لبریز ہے۔ اُس شخص کی رُوح کو عالم نادیدنی میں روانہ کردیتی ہے ؛

پس واقعی کلیسیا خدا کا خاندان اور ہماری رُوحانی زندگی کا گھر ہے۔ کیونکہ ہر موقع پر اور خوف کے وقت جیسی ضرورت ہم کو پڑے۔ وہ اُس کے لئے ایک برکت آمیز سامان اپنے ساتھ لئے ہوئے ہماری مدد کے لئے موجود رہتی ہے۔ اور اُس کا یہ سامان و بندوبست ہر حالت میں ایسی نہائت سیدھی سادی رسموں اور طریقوں کے وسیلوں سے ہم کو بڑی بڑی رُوحانی برکتیں پہنچاتا ہے کہ ہر شخص کی عقل اور طبیعت اُس کو سمجھ سکتی اور قبول کرلیتی ہے۔ کیونکہ خدا کی باتیں سب سیدھی سادی اور قدرت والی ہیں۔ اس لئے وہ اپنی بڑی سے بڑی برکتیں نہائت سیدھے سادے طریقوں سے عنائت کرتا ہے۔ چونکہ ہماری ذات بھی جسم اور رُوح سے مرکّب ہے۔ اس لئے وہ ہم کو رُوح کی برکتیں جسمانی اور ظاہری وسیلوں سے دیتا ہے ؛

بہت سے لوگ ہیں جن کو مقدّس رسموں کا انتظام سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر فضل کی مقدّس رسموں اور خدمت گزاریوں کا یہ عام بیان جو ہم نے اس باب میں کیا ہے صحیح ہے تو کیا وہ ہم سب کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور ہماری طبیعتوں کے اندر جو قوت کہ نہائت عمدہ اور نہائت سیدھی سادی ہے کیا وہ ان باتوں کا بیان سُنکر اُن کو قبول نہیں کرلیتی ؟

تیرھواں باب

ایمان اور فضل

مسیحی دین کی جو مقدس رسمیں سکرامنٹ کے نام سے مشہور ہیں اُن میں سے ہم بعض کا آئندہ ابواب میں ذکر کرینگے۔ لیکن اس سے پہلے ہم ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو اکثر کیا جاتا ہے۔ جس طرح کی تعلیم ہم نے مقدّس رسموں کی بابت اس سے پہلے باب میں دی ہے۔ اُس کے بارے میں ہم سے بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ ”ہم محض رسموں کو اتنی وقعت نہیں دے سکتے۔ انجیلوں اور پولُس مقدس کی تعلیم کے موافق تو ایمان ہی ایک شے ہے کہ جس کے وسیلے سے ہم نجات پاتے ہیں“۔ پھر جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ کلیسیا کا ایمان اِن رسموں کے بارے میں غلط ہے۔ ہمارے سامنے یہ بات پیش کیا کرتے ہیں کہ دیکھو ہزاروں آدمی ہیں جنہوں نے بپتسمہ پایا ہے مگر تو بھی وہ گناہ یا بے پروائی میں زندگی گزارتے ہیں۔ پھر بھلا کیا کوئی یہ مان سکتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں وہ نئی زندگی موجود ہے جو رُوح القدس سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم اس عام اعتراض کے بارے میں اس بات کو پوری صفائی کے ساتھ جتانا چاہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ مسیحی کلیسیا یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتی کہ بپتسمہ یا کسی اَور مقدّس رسم کے

محض ادا کئے جانے سے آدمی نیک یا پاک بن جاتا ہے۔ دینی رسموں
کے علاوہ ایمان کا ہونا اور دل کا بدل جانا ہر متنفس کی نجات کے لئے
ضروری باتیں ہیں۔ اور اگر کبھی مسیحی تعلیم میں دینی رسموں کو ایمان سے
اور دل کی تبدیلی سے علیٰحدہ کر دیا گیا ہے تو یہ ایک بڑی بھاری
غلطی ہے ÷

فرض کرو کہ تان سین جیسا ایک باجہ بجانے والا اُستاد سارنگی
بجا رہا ہے اور دو جنگلی آدمی اُس کو کان لگائے سُن رہے ہیں۔ اب
اُن کے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی چل کر ایسی ہی
آواز پیدا کریں۔ اور وہ اُس باجے والے پر حملہ کر کے ایک تو اُس
کی کمانی کو پکڑ کر اُس کے ہاتھ سے چھین لے اور جا کر جو لکڑی کے
ٹکڑے اُسے ملیں اُن پر زور زور سے اُس کو رگڑنے لگے۔ جب
اس طرح کوئی آواز نہ نکلے۔ تو دل میں بہت ہی ناراض ہو کہ یہ کیسے
گھوڑے کے بال ہیں۔ ان سے تو کچھ آواز نہیں نکلتی۔ اور دوسرا شخص
اس سارنگی کو جس پر تانت کی ڈوریاں کسی ہوئی ہیں چھین کر ایک
کونے میں لے جائے۔ اور لکڑی کے ایک ٹکڑے سے اُس کو خوب
طرح رگڑے۔ پھر جھنجھلا کر اُسے پھینک دے۔ کیونکہ اُس نے بھی
بہتیری کوشش کی مگر کوئی خوش آواز اس سے نہ نکلی۔ تم کھڑے
دیکھ رہے ہو اور ہنستے ہو کہ یہ جانگلو کیا کر رہے ہیں۔ اگر حق پوچھو
تو جوان دو نو جنگلی آدمیوں نے کیا وُہی ایک مثال ہے اُن لوگوں
کی جو ہمیشہ صرف ایک بات کو پکڑ لیتے ہیں یا تو صرف ایک ایمان
ہی کو مانتے ہیں یا صرف دینی رسموں ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ایسے

شخص خواہ یہ ہوں خواہ وہ ہوں۔ صحیح بات کے صرف آدھے حصے کو لے کر
اُسی پر کفائت کرتے یا رُوحانی کُل کے صرف آدھے پُرزوں سے وہ نتیجہ
پیدا کرنا چاہتے ہیں جو درحقیقت سارے پُرزوں کو ملا کر لگانے سے پیدا
ہو سکتا ہے ÷

خدا کے گھرانے میں سے جو زندگی کی روٹی ہم کو ملتی ہے وہ بھی
اس بارے میں دُنیاوی روٹی کی مانند ہے۔ کہ جب تک کوئی شخص اُسکو
بھوک سے نہ کھائے۔ جب تک وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو جائے اُس
وقت تک جسم کو اُس سے غذا نہیں پہنچتی۔ اور نہ اس سے کچھ فائدہ پہنچتا
ہے۔ ہماری جسمانی زندگی کے لئے یہ دونوں کام ضرور ہیں کہ کھانا باہر سے
معدے کے اندر جائے اور جسم کے اندر اُس کھانے کے لئے بھوک اور
ہاضمہ بھی موجود ہو۔ اسی طرح مقدس رسمیں بھی درحقیقت ہماری رُوحوں
کا کھانا جو ہم کو برکت کی طرح ملتا ہے باہر کی طرف سے اندر لیجاتی ہیں۔
مگر اُن سے ہمکو اُسوقت تک کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ہمارے
اندر ایسی رُوح موجود نہ ہو جو اس بات کو خوب طرح سمجھے کہ یہ شے جو ہم
کو دی جاتی ہے کیا ہے۔ اور پھر اس بخشش کو خوشی کے ساتھ قبول کرکے
اور روحانی طور پر ہضم کر کے اُس سے قوت اور زندگی حاصل کرے ÷

ہمارے خداوند یسوع مسیح نے جو بیماروں کو اپنے دست قدرت سے
شفا بخشی۔ اُس پر ذرا غور کرو۔ ایک طرف تو اُس کے پاک انسانی جسم
میں ایک تاثیر یا قوت تھی جو اُس میں سے نکلتی اور آدمیوں کو شفا بخشتی
تھی (مرقس ۵-۳۰)۔ دوسری طرف بیماروں کا ایمان تھا جس سے وہ
اُس کی خواہش کرتے اور اُس کو قبول کرتے تھے۔ مگر جب تک بیمارو

میں یہ ایمان پایا جاتا تھا اُس وقت تک مسیح کی شفابخش قوت سے اُن کو کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ مرقس کی انجیل کے چھٹے باب کی پانچویں اور چھٹی آئتوں اور متی کی انجیل کے تیرھویں باب کی اٹھاون آئت میں مسیح کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ اُس نے اُن کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت سے معجزے نہ دکھائے۔ اور موقعوں پر اُس نے اُن لوگوں میں سے جن میں شفا پانے کے لائق ایمان تھا کسی سے تو یہ کہا کہ "تیرے ایمان نے تجھے بچایا ہے"۔ اور کسی سے یہ کہ "تیرے ایمان کے موافق تیرے لئے ہو"۔ مسیح کے ایسا کہنے کا یہ مطلب نہ تھا کہ ایمان ہی میں اپنی ذات سے کچھ طاقت ہے کہ وہ شفا بخش سکے بلکہ یہ کہ ایمان انسان کو مسیح کی بخششوں کی آرزو کرنے اور اُن کو اپنے فائدے کے لئے حاصل کرنے کی قابلیت بخش سکتا ہے۔ ایک اور موقع پر جب ایک بڑی بھیڑ اُس کے گرد جمع ہو گئی تھی تو اُس نے ایک عورت کی بابت یہ کہا کہ "اُس نے مجھے چھوا ہے"۔ مسیح نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ "اُس نے یہ معلوم کیا تھا کہ مجھ میں سے قوت نکلی ہے"۔ یعنی اُس ساری بڑی بھیڑ میں سے صرف ایک عورت میں وہ ایمان پایا گیا جس میں یہ طاقت تھی کہ مسیح کے اندر سے جہاں سارے آدمیوں کے لئے برکتیں موجود تھیں خاص اپنے لئے ضروری برکت حاصل کر لی (مرقس ۵۔ ۳۰ تا ۳۴)۔ اسی طرح بپتسمہ یا پاک شراکت میں سب کے لئے یکساں فضل تو موجود ہے مگر ہر ایک لینے والے کے لئے روحانی بخشش صرف مسیح اور اُس کی روح کی قوت پر منحصر ہے۔ مثلاً بپتسمہ میں مسیح کی نئی زندگی کی شراکت عطا ہوتی ہے اور عشائے ربانی میں مسیح کا جسم اور خون بخشا جاتا

ہے۔ لیکن گو بیشمار آدمی ان بخششوں کو حاصل کرتے ہیں پھر بھی صرف چند ہی لوگ ایسے ہیں جو ایمان کے وسیلے سے اُن کا اصل فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ مسیح کے گرد تو آدمیوں کے بڑے بڑے ہجوم جمع ہیں۔ مگر ایسے تھوڑے ہی ہیں جو اُس کو ایمان کے ساتھ چھوتے ہیں ٭

اب ضرور ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مسیح نے ایک طرف تو یوحنا کی انجیل کے تیسرے باب کی پانچویں آئت میں یہ بات کیوں کہی ہے کہ "جب تک کوئی آدمی پانی اور رُوح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا"۔ اور اسی انجیل کے چھٹے باب کی ترپنویں آئت میں یہ کہا کہ "جب تک تم ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اُس کا خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں"۔ اور دوسری طرف اسی انجیل کے چھٹے باب کی اُنتیسویں آیت میں یہ کہا ہے کہ "خدا کا کام یہ ہے کہ تم جسے اُس نے بھیجا ہے اُس پر ایمان لاؤ"۔ اور متی کی انجیل کے اٹھارھویں باب کی تیسری آئت میں یہ کہا ہے کہ "اگر تم نہ پھرو (یعنی مسیح پر ایمان لانے کی طرف رجوع نہ ہو) تو آسمان کی بادشاہت میں داخل کبھی نہ ہو گے"۔ اب یہ دیکھ کر ہماری سمجھ میں آیا کہ کیا باعث ہے کہ پولُس رسول کہیں تو مقدس رسموں کو نجات کا وسیلہ ٹھیراتا ہے۔ کہیں ایمان ہی کو نجات کی شرط بتاتا ہے۔ چنانچہ بپتسمہ کو نئی پیدائش کا غسل کہتا ہے۔ اور یہ کہ بپتسمہ کے وسیلے سے مسیح میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر دین پر مستحکم ہونے کی رسم ادا کر کے نو مریدوں کو روح القدس کی بخشش پہنچاتا ہے۔ اور مقدس شراکت کی رسم کو مسیح کے جسم اور خون میں شریک ہونے کے لفظوں سے تعبیر کرتا ہے اور تیمتھیُس کو اُس بخشش کے بارے میں یاد دلاتا ہے جو میرے ہاتھ رکھنے کے باعث تجھے حاصل ہوئی (ططس ۳۔ ۵۔ رومیوں ۶۔ ۳۔ اعمال ۱۹۔ ۱ تا ۶۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱۰۔ ۱۶ و ۱۷۔ ۲ تیمتھیُس ۱۔ ۶)۔ لیکن باایں ہمہ ہی

پولس ایسے یقین کے ساتھ یہ لکھتا ہے کہ ایمان کے سوا اور کوئی چیز ہم کو راستباز یعنی مقبول خدا کا نہیں ٹھیراتی۔ اور ایمان ہی کے سبب اُس فضل تک ہماری رسائی ہوئی جس پر قائم ہیں (رومیوں ۵:۲)

یہودیوں اور یونانیوں میں جو محض ایک ظاہری امتیاز کی علامت تھی یعنی ختنہ یا نامختونی۔ اُس کے مقابلے میں پولس رسول تین دفعہ مسیحی دین کی ایک ہی ضروری شرط بیان کرتا ہے۔ ایک دفعہ تو گلاتیوں کے خط کے چھٹے باب کی پندرھویں آئت میں یوں کہتا ہے "کہ نہ تو ختنہ کچھ چیز ہے۔ نہ نامختونی۔ بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا اور یہ خدا کے فضل کی ایک بخشش ہے۔ پھر اُسی خط کے پانچویں باب کی چھٹی آئت میں یہ لکھتا ہے کہ مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی۔ مگر ایمان جو محبّت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔ یہ وہ ایمان ہے جو عمل کرنے والا ہے۔ پھر کرنتھیوں کے نام کے پہلے خط کے ساتویں باب کی اُنیسویں آئت میں یوں کہتا ہے کہ "نہ ختنہ کوئی چیز ہے نہ نامختونی بلکہ خدا کے حکموں پر چلنا ہی سب کچھ ہے"۔ یعنی خدا کی واقعی فرمانبرداری وہ شے ہے جو ایمان کا بھی اور مقدس رسموں کے ادا کرنیکا بھی یکساں ضروری مقصد اور کسوٹی ہے۔ یہ تینوں باتیں یعنی نئی پیدائش کا حاصل کرنا اور عمل کرنے والے ایمان کا ہونا اور خدا کے حکموں کی فرمانبرداری کرنا درحقیقت ایک ہی رُوحانی زندگی کی خاصیتیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ نظر کے تین مختلف مقاموں سے اُن کو دیکھ کر یوں تعبیر کرتا ہے۔

اب ہمیں امید ہے کہ ناظرین کی سمجھ میں آجائیگا کہ ایمان اور مقدس رسموں کے درمیان کچھ مخالفت نہیں ہے۔ جس طرح کہ سارنگی کو

بجانے کے لیئے دونوں پُرزوں یعنی سارنگی اور اُس کی کمانی کو کام میں لانا ضرور ہے۔ اسی طرح مسیحی دین کے لئے مقدّس رسموں اور ایمان دونو کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے *

جبکہ مقدس رسمیں درستی کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں تو اُس سے تم کو زندگی کی روٹی ملتی ہے یعنی تمہاری خوراک کا وہ حصّہ جو تمکو وقت مناسب پر پہنچنا چاہیئے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ ان رسموں سے تمکو رُوحانی فائدہ اُس وقت تک نہ پہنچیگا جب تک کہ تم میں ایمان نہ ہوگا جس سے تم کو اُن کی خواہش ہو اور اُن کو استعمال کر سکو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان اُسی کے کلام پر نظر رکھتا ہے جس پر اُس کو بھروسا ہے۔ جو ایمان ایسا ہے کہ اُس رُوحانی غذا کے کھانے سے انکار کرتا ہے جو مسیح نے اُس کے لئے بہم پہنچائی ہے۔ وہ صرف ایک اندھا ایمان ہے بلکہ ایمان ہے ہی نہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ کوئی شخص ایمان کے ضروری ہونے کی تعلیم کو ایک ایسی دلیل نہ بنائیگا جو رسولوں کے اس مقرر کئے ہوئے دستور کے خلاف ہو کہ مسیحی والدین کے بچّے اپنی بے سمجھی کی عمر میں بپتسمہ پائیں۔ کون یہ بات صحیح صحیح بتا سکتا ہے کہ بچّے کو کب ہوش آنے لگتا ہے۔ کلیسیا کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی بچہ اپنی زندگی کے شروع ہی سے مسیحی تاثیروں میں پلے۔ اور جونہی وہ اپنی طفولیت کی ادھوری ہی سمجھ میں اپنی پیاری ماں کے زیر سایہ اپنا ایمان کام میں لانے لگے۔ اُسی وقت سے نئی زندگی کی برکتیں اپنی باطنی انسانیت کے اندر معلوم کرے *

ہم یہاں تین باتیں اَور کہنی ضرور سمجھتے ہیں۔ اول تو یہ کہ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ایمان اور سکرامنٹ یعنی مقدّس رسمیں نجات کے لئے

ضرور ہیں۔ تو اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ اُن کے لئے ضرور ہیں جو اُن کو عمل میں لا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کو موقع نہیں ملا کہ ان کو مقدس رسموں کو عمل میں لائے تو خدا اُس کو اَور خاص طور سے ضروری طاقت دے سکتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے وسیلوں کا محتاج نہیں۔ اس کے علاوہ اگر لوگوں کو مسیح کے جاننے یا اُس پر ایمان لانے کا موقع نہیں ملا تو مسیح اُن کو بغیر جانے بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر سکتا ہے ☩

دوسری بات میں یہ جتانی چاہتا ہوں کہ ایمان ایسی شے ہے جس کے کئی درجے ہیں۔ ایک ایمان تو اُس شخص کا ہے جس کی مرضی یا دل اپنی پہلی حالت سے بدل کر مسیح کی طرف رجوع لاتا ہے تاکہ اُس کا مقبول ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص بُت پرست ہے وہ مسیح پر ایمان لاکر اول ہی اول اُس کی طرف رجوع ہؤا۔ تاکہ مسیح اُسے قبول کرے۔ پھر اس کے علاوہ ایک ایسے مسیحی کا ایمان بھی ہوتا ہے جو روشن ضمیر اور مستحکم ایمان کا آدمی ہے اور جس کو نئی پیدائشی زندگی کا فضل حاصل ہے۔ اس زندگی کے بھی بہت سے درجے ہیں۔ اور ہم کو اس دنیا میں ایمان کے ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف ترقی کرتے جانا ضرور ہے تاوقتیکہ ایمان کا پردہ اُٹھ نہ جائے اور جس شے کا ہم اب ایمان رکھتے ہیں اُس کو آنکھوں سے دیکھنے لگیں ☩

تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے ایمان کو اور دل کے خدا کی طرف پھرنے کو نفس الامر میں ایک ہی جیسا بیان کیا ہے۔ اور درحقیقت ان دونوں باتوں کو ایک ہی کہنا درست ہے۔ کیونکہ کوئی ایمان اُس وقت تک نجات

حاصل کرنے والا ایمان نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ دل کی مرضی بھی اُس کے ساتھ متفق نہ ہو۔ اور دل کے ارادے کا خدا کی طرف پھر جانا خواہ وہ یکایک ہو خواہ رفتہ رفتہ۔ اس کی مراد یہی ہے کہ سچّا ایماندار اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنی انسانی زندگی کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے کہ وہ اُس کا مالک ہو جائے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کا دل ایمان کے بغیر بدل جائے یا کہ بغیر دل بدل جانے کے حقیقی طور پر ایمان لائے ☩

چودھواں باب

مقدس شراکت

مقدس شراکت کی رسم سکرامنٹوں میں اس لئے سب سے بڑی ہے کہ اس کا اثر بہت دور تک پھیلتا ہے اور اُس میں بہت کچھ آجاتا ہے۔ اُس میں یہ تین باتیں داخل ہیں۔ اوّل تو وہ خدا کی طرف سے اُس کے ایمانداروں کے لئے ایک ضیافت ہے۔ دوم وہ مسیح کی کامل قربانی کی گویا قربانگاہ ہے۔ سوم یہ کہ اُس میں کامل درجے کی برادرانہ شراکت ہے۔ اس کے علاوہ وہ سب سے بڑی مسیحی عبادت بھی ہے اس لئے کہ ربّانی دُعا کے سوا یہ ایک ہی عمل عبادت کا ہے جسے مسیح نے خود مقرر کیا ہے۔ صبح اور شام کی نمازیں اور دعا کا جلسہ اور بائبل کلاس۔ یہ جماعتی عبادت کے سارے طریق خدا کے حضور میں جانے

کے لئے بہت اچھے ہیں۔ مگر جماعتی عبادت کی صرف ایک ہی شکل ایسی ہے جو مسیح کے منشاء اور ابتدائی زمانے سے کلیسیا کے دستور کے موافق اتوار اور تہواروں کے دنوں کو مقدس اور مخصوص بناتی ہے۔ اور یہ عبادت مقدس رفاقت ہے۔ جو خاص طور سے مسیحی قربانی ہے اور وہ عبادت جو رُوح اور سچائی کے ساتھ عمل میں آتی ہے *

رفاقت اقدس کی اس قدر بزرگی اس لئے ہے کہ خداوند مسیح نے اس کو خود مقرر کیا ہے۔ اور یہ رسم اس لئے خاص کر بڑی بزرگ سمجھی جاتی ہے کہ مسیح آپ اس میں خاص طور سے موجود ہوتا ہے۔ بیشک وہ سارے مسیحی زندگی کے درمیان موجود تو رہتا ہے۔ چنانچہ عبرانیوں کے خط کے بارھویں باب میں بائیسویں آئت سے چوبیسویں تک مسیحیوں کی نسبت یوں لکھا ہے کہ "تم صیون کے پہاڑ اور آسمانی یروشلیم اور نئے عہد کے درمیانی یسوع کے پاس آئے ہو" اور متی کی انجیل کے اٹھارھویں باب کی بیسویں آئت میں ہمارے خداوند نے خود یہ فرمایا ہے کہ "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں بھی اُن کے بیچ میں ہوں" لیکن پاک رفاقت میں مسیح خصوصیت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اس بندگی میں ہر قسم کی عبادت داخل ہے۔ دعا ہے۔ گناہوں کا اقرار ہے۔ کلام الہی کا سُننا ہے۔ عقیدے کا اقبال ہے۔ اوروں کی سفارش کے لئے دُعا ہے۔ خدا کی پرستش اور تمجید ہے۔ اور نذر بھی ہے۔ روٹی اور وائن نذر دی جاتی ہے جو خدا کی اُن ساری بخششوں کو تعبیر کرتی ہے جو اُس نے ہم کو دی ہیں۔ اور یہ ہم کو اس لئے دی ہیں کہ ہم ان کو اپنی شکرگزاری کی عبودیت کے نشان میں

پھر اُسی کی نذر کر سکیں۔ اور ان سب کے علاوہ اس عبادت میں یادگاری بھی داخل ہے اور یہ یادگاری ہمارے خداوند کے دُکھوں کی اور یادگاری بھی وہ جو کام اور کلام دونوں وسیلوں سے کی جاتی ہے جس وقت روٹی توڑی جاتی اور پیالے میں وائن ملائی جاتی اور پھر اُس میں سے اُنڈیلی جاتی ہے۔ اس سے ایک بڑے دلسوز واقعے کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ انگریزی کے لاثانی شاعر شکسپیر کے مشہور ناٹک ہیملٹ یا میکبتھ جو اپنے اپنے ہیرو کے نام سے مشہور ہیں اگر اُن کی زندہ رُوحیں بھی اُس وقت آکر موجود ہو جائیں جبکہ اُن کے دلسوز واقعوں کی یادگاریں تماشے دکھائے جاتے ہیں تو ان دلسوز واقعوں کی تاثیر دلوں پر اور بھی بہت زیادہ ہو جائے پاک رفاقت میں عبادت اور یادگاری کے جس قدر کام عمل میں آتے ہیں ان سب کا سرتاج یہی بات ہے کہ ہمارا خداوند مسیح اُس وقت خود موجود ہوتا ہے *

اور گو ہماری جسمانی رسموں اور چیزوں میں اُس کا شریک ہونا روحانی طور کا ہوتا ہے تاہم اُس کے واقعی ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں کیونکہ رُوح القدس کی قوت سے وہ اپنے جسم اور اپنے خون کے وسیلے سے روٹی اور وائن کی کم حیثیت شکل میں ہمارے درمیان حقیقی طور پر حاضر ہوتا ہے *

اول تو وہ وہاں اس لئے حاضر ہوتا ہے کہ خود ہماری روحوں کی غذا ہو۔ کیونکہ انسان کی روحانی بھوک کو اور کوئی شئے بجز خاص خدا کی زندگی کے سیر نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مسیح جو حقیقی خدا اور حقیقی انسان

بھی ہے پاک رفاقت میں اپنے آپ کو دیتا ہے کہ ہماری روحانی خوراک ہو۔ اُس نے خود یوحنّا رسول کی انجیل کے چھٹے باب کی ستاون آئت میں یوں فرمایا ہے کہ جو مجھے کھائیگا میرے سبب سے زندہ رہیگا۔ کوئی پوچھے کہ یہ کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معمولی جسمانی چیزوں کے استعمال سے ہوتا ہے۔ یعنی روٹی کھانے اور وائن کے پینے سے جو ایسی برکتیں ہیں کہ نباتاتی زندگی سے ہم کو اپنی پرورش اور غذا کے لئے حاصل ہوتی ہیں۔ اور حیوانی زندگی سے جو بخشش ہم کو اپنی غذا کے لئے حاصل ہوتی ہے وہ گوشت کھانے سے ہوتی ہے۔ پس اس طرح جسمانی یا زمینی خوراک یعنی اُس روٹی اور وائن کی ظاہر صورتوں کے ذریعہ سے جو ہم حسب قاعدہ خدا کی نذر کرتے ہیں۔ ہم کو جلال یافتہ مسیح کی انسانی اور الٰہی زندگی اس طرح بخشی جاتی ہے کہ اس کا گوشت جو اُس کی انسانیت کی رُوحانی اصل ہے اور اُس کا خون جو اُس کی زندگی ہے یہ دونوں اس طرح پر ہمارے دلوں میں داخل ہوتے ہیں زمینی نسل کا جو قسیس کہ اُس روٹی اور وائن پر رُوح القدس کی قدرت کے نازل ہونے کی دعا کرتا ہے۔ وہ سارے مسیحی لوگوں کا اُس وقت وکیل ہوتا ہے۔ اور مسیح کے اس مقرر کئے ہوئے دستور کے الفاظ اپنی زبان سے سُنا کر اُن پر برکت مانگتا ہے جس طرح کہ کائنات ایزدی اور فضل ربّانی کی اور ساری گہری باتوں کی تہ تک پہنچنا ہماری انسانی طاقت کے احاطے سے باہر ہے۔ اُسی طرح یہ بھی ایک ایسا راز ہے جو ہماری عقل کی رسائی سے بعید ہے۔ مگر کسی طور سے الٰہی رُوح اُن زمینی چیزوں روٹی اور وائن پر ایسی تاثیر پیدا کرتی اور اُن کی

ایسی تقدیس کرتی ہے کہ وہ اُس جماعت کے درمیان اگرچہ بظاہر ہم سے پوشیدہ اور روحانی طور پر ہو مگر درحقیقت اصلی طور پر جلال یافتہ یسوع کا جسم اور خون بن جاتی ہیں۔ درحقیقت اس وقت آسمان اور زمین مل جاتے اور ایک ہو جاتے ہیں۔ یسُوع کا بدن سچّی ہے خوراک۔ جان کا نجات بخش اُس کا خون پاک۔

دوم۔ مسیح ان پاک بھیدوں کے ذریعہ سے نہ صرف ہماری خوراک ہے بلکہ ہماری قربانی بھی ہے۔ کیونکہ اُس نے صلیب پر چڑھنے اور اس دُکھ کے سہنے کے وقت اپنے آپ کو قربانی چڑھا کر ہمیشہ کے لئے ساری دُنیا کے گناہوں کے عوض ایک پوری کامل اور کافی قربانی نذر اور معاوضہ دیا۔ اور جو قربانی اُس نے اپنی ایک بار چڑھائی ہے اُس کی تاثیر کے ساتھ وہ ہمیشہ کے لئے آسمانی مقام میں اپنے آپ کو پیش کرتا رہتا ہے۔ اس طرح ہم پاک شراکت کے وقت اور اُسکے ذریعہ سے مسیح کی آسمانی شفاعت کو پا لیتے ہیں جیسا کہ عبرانیوں کے خط کے بارھویں باب کی چوبیسویں آئت میں لکھا ہے کہ تُم نئے عہد کے درمیانی یسوع اور چھڑکاؤ کے خون کے پاس آئے ہو۔ وہ ہمارے درمیان ہمارا کاہن اور قربانی دونوں ہے اور گو دکھائی نہیں دیتا مگر فی الحقیقت ہمارے ساتھ ہے۔ اور ساری جماعت اُس کی قربانی کو پیش کر کے یا اُس کو اپنا عذر گردان کر یہ عرض کرتی ہے کہ ہماری ساری ناقص دُعائیں جو ہم اپنے واسطے اور اَوروں کے واسطے بھی مانگتے ہیں اُس کی قربانی کی تاثیر سے قبول کی جائیں۔ اس پاک رفاقت کو انگریزی میں "یُوکرسٹ" بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہماری

حمد اور شکرگزاری کی قربانی کے ہیں۔ اور یہ اس لئے خدا کو منظور ہوتی ہے کہ مسیح کے مقبول کفارے کی بنا پر پیش کی جاتی ہے ✣

سوم۔ مسیح ہماری رُوحوں کی خوراک ہے۔ اور مسیح ہی ہمارے گناہوں کی قربانی اور مسیح ہی ہمارے بھائی چارے کا بانی۔ پولُس نے کُرنتھیوں کے نام کے پہلے خط کے دسویں باب کی سترھویں آئت میں یہ لکھا ہے کہ "چونکہ روٹی ایک ہی ہے اس لئے ہم جو بہت سے ہیں ایک بدن ہے۔ کیونکہ ہم سب اُسی ایک روٹی میں شریک ہوتے ہیں"۔ پاک شراکت گویا بھائیوں کا ایک کھانا ہے۔ اور جو زندگی کہ مسیح اُن کو وہاں دیتا ہے اور گناہوں سے چھٹکارا ہو جانے کی جن برکتوں میں وہ سب شریک ہیں یہ باتیں اُن کے برادرانہ رشتے کو پاک اور گہرا بنا دیتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قدیم زمانے کے بُت پرست کہا کرتے تھے کہ "دیکھو مسیحی ایک دوسرے سے کیسی محبّت رکھتے ہیں" اور اگرچہ اُس مبارک زمانے کی نسبت جبکہ عام لوگوں کی عداوت اور حاکموں کے ایذا پہنچانے کے باعث سے مسیحی جماعتیں برائے نام اور بُرے مسیحیوں سے پاک و صاف رہتی تھیں اب کلیسیا میں بہت زیادہ جھوٹے مسیحی داخل ہیں۔ تاہم دنیا میں انسانوں کے درمیان جس قدر سچی برادری ہے اُس کا بہت بڑا حصّہ تو مسیح کے نام کا دل سے اقرار کرنا اور اُس کے جسم اور خون میں شریک ہونے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ دنیا میں سچی مسیحی محبت تو بہت سی تو ہے اور بڑھتی بھی جاتی ہے۔ مگر اس سے بھی بہت زیادہ ہونی چاہیئے۔ اور خاص کر اس بات کی ضرورت ہے کہ مسیحیوں میں بجائے مختلف فرقہ بندیوں کے باطنی یگانگی کے ساتھ ظاہری یگانگی بھی ہو جائے۔ اور جو ظاہری یگانگی کل مسیحی

کلیسیا کے لئے مطلوب ہے وہ بے شبہ اُس یگانگی سے پیدا ہوگی جو ایک ہی روٹی اور ایک ہی پیالے کے شریکوں میں نظر آتی ہے کہ وہ آپس میں برادرانہ محبّت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوجھ اُٹھا اُٹھا کر مسیح کی شریعت کو پورا کر دیتے ہیں ✣

مسیح ہماری خوراک ہماری قربانی ہماری یگانگت ہے اور یہ تینوں باتیں ایک دوسرے پر موقوف ہیں۔ یہ صحیح بات ہے کہ جو مسیحی پاک رفاقت میں شریک ہوا کرتے ہیں وہ جبکہ اس رفاقت میں شریک نہ ہوں اُس وقت بھی اُس کی پاک قربانی کی یادگار میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم ہر اتوار کو پاک رفاقت نہ لے سکیں تو بھی ہم کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر اتوار کو اس پاک رسم ادا ہونے کے وقت وہاں موجود تو رہیں۔ لیکن اگر ہم اس بات کی تہ پر نظر کرینگے تو معلوم ہوگا کہ ہم مسیح کی قربانی کو خدا کے سامنے اپنی سفارش میں اُسی صورت میں پیش کر سکتے ہیں جب ہم خداوند کی اس ضیافت میں شریک بھی ہوں۔ کیونکہ جب ہم مسیح کے ساتھ ایک ہو جاتے ہیں جو اس پاک رسم کا مُدعا ہے اُسی صورت میں ہم مسیح کو خدا کے سامنے پیش بھی کر سکتے ہیں۔ صرف اسی حالت میں ہم اُس کے نام کو اپنی دُعا میں لے سکتے ہیں جبکہ اُس کے بدن کے اعضاء ٹھیرتے ہیں۔ اور جو کچھ فائدے کہ ہم مسیح سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے ہی لئے بلکہ سارے جسم یعنی کلیسیا کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ اور ہماری ساری دعائیں مسیح کی اُس ساری کلیسیا کے ہر حالت اور درجے کے لوگوں کے لئے ہونی چاہیئیں جو اس دنیا کی روحانی جنگ میں مشغول ہیں۔ اس لئے بھی کہ کل بنی آدم مسیح کی کلیسیا میں داخل ہو جائیں

اور جس قدر ایماندار لوگ کہ زندہ ہیں یا رحلت کر گئے اُن سب کی جماعت کامل ہو جائے۔ پاک رفاقت کی جس قدر دُعائیں ہیں۔ اُن میں کچھ بھی خود غرضی نہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مسیح جو ہماری رُوحوں کی خوراک اور ہماری قربانی اور ہماری یگانگت ہے وہ صرف ایک ہی مسیح ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہم اُس کے ساتھ ایک ہی طریق میں شریک اور باقی طریقوں میں نہ ہوں ٭

شکر خدا کا اُس کی اُس بخشش پر جو بیان سے باہر ہے (۲۔ کرنتھیوں ۹ - ۱۵) ٭

پندرھواں باب

تسلسل یا جانشینی کا تواتر

یہ بات بالکل صاف ظاہر ہے کہ مسیحی کلیسیاؤں میں خادمان دین کا ہونا ضرور ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مقرر کس طرح کئے جائیں۔ ایک بات تو بڑی معقول معلوم ہوتی ہے کہ مسیحی لوگوں کی جن جماعتوں کو اُن کی خدمتوں سے فائدہ یا نقصان پہنچتا ہے اُن کو اُن کی تقرری میں اپنی رائے دینے کا پورا اختیار ہونا چاہیئے۔ اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس زمانے میں جو حکومت کے بارے میں سب سے عمدہ خیالات ہیں وہ یہ ہیں کہ حاکم لوگوں کی طرف سے چُنے ہوئے اور اُنکے وکیل ہوں۔ اس لئے خادمان دین کا بھی اپنی جماعت کی رائے سے مقرر

کیا جانا ان خیالات کے موافق ہے اور دین مسیحی کے ابتدائی اور سب سے بہتر زمانوں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ بات ہم کو ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ مسیحی کلیسیا اس بات پر بڑا زور دیتی رہی ہے کہ مسیحی خادمان دین جن جماعتوں میں اپنی خدمت ادا کرینگے اُن کی طرف سے درستی کے ساتھ چُنے جائیں۔ چنانچہ جو سات اشخاص یا ڈیکن کہ کلیسیا میں سب سے پہلے مقرر ہوئے ہیں وہ رسولوں کے ہاتھ سے اپنا تقرر پانے سے پیشتر مسیحیوں کی کل جماعت کی طرف سے چُنے گئے تھے (اعمال ۶-۳-۵ تا ۸) اور اسی قاعدے پر کئی سو برس تک عمل درآمد ہوتا رہا۔ اس طریق پر وکلائی اور انتخابی حکومت کا سب سے اوّل نمونہ مسیحی کلیسیا نے دُنیا کو دیا ہے ٭

کلیسیائے عامہ میں جو خادمان دین یا پادریوں کے مقرر کئے جانے کا دستور چلا آتا ہے اُس میں یہ خیال ہمیشہ تہ نشین رہا ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کی طرف سے چُنے جائیں یا کم از کم اُن کی منظوری اُن کی آزادرائے سے ہو۔ مگر بہت عرصے سے بارہا ایسے موقعے ہوئے ہیں کہ اس دستور کی اصلیت بالکل جاتی رہی ہے۔ درمیانی زمانے میں جس کو زمانۂ تاریکی بھی کہتے ہیں انتخابی یا وکلائی حکومت کو بُرا سمجھتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی جو بادشاہ کہ انگلستان میں خاندان ٹیوڈر یا سٹوآرٹ کے گزرے ہیں اُن کو بھی یہ اصول ناگوار رہی تھا۔ اس طرح سے کلیسیا میں خادمان دین کے مقرر کرنے کا اختیار بالکل پوپوں بشپوں۔ بادشاہوں اور مربیوں کے ہاتھ میں آگیا ٭

خاص انگلستانی کلیسیا میں بھی آج تک خادمان دین کے مقرر

کرنے کی نسبت اصلاح کی اشد ضرورت ہے مگر شکر ہے کہ جہاں کلیسیائیں
انجیلی بشارت کے سبب سے غیر ملکوں اور خاص کر اس ہندوستان
میں قائم ہو گئی ہیں وہاں انتخاب خادمانِ دین کا اُسی رسولی اور
ابتدائی اصول کی بنا پر ہوتا ہے کہ چُنے جائیں جماعت کی طرف سے
اور مقرر کئے جائیں بزرگان کلیسیا یعنی استقفوں کی وساطت سے *

یہاں تک تو ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ کلیسیا کے خادموں کو
منتخب کرنے کا کون سا طریق صحیح ہے مگر کیسا ہی صحیح سے صحیح طریق
کیوں نہ ہو جس کے بموجب کوئی شخص کلیسیا کا خادم بننے کے لئے چُنا
جائے تو وہ اس سے کلیسیا کا خادم بن نہیں جاتا۔ اور اگر خادموں
کو منتخب کرنے کا کوئی طریق بُرا بھی ہو تو اس سے اس خادم کی
کارگزاری میں فرق پڑے تو پڑے لیکن جس حال میں اُسکی تقرری
درستی کے ساتھ عمل میں آئی ہے تو اُس کے عہدے کے روحانی اختیارات
بُرے طریق کی وجہ سے جاتے نہیں رہتے۔ خیال کیجئے کہ کلیسیا کے
خادم ہونے کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خادم دین خدا کے گھرانے
کے مختاروں میں سے ایک مختار ہے۔ اب یاد رہے کہ کلیسیا جو خدا کا
گھرانہ ہے اور دینی خدمت جو اُس کی مختاری ہے یہ دونوں چیزیں
خدا کی بخشش سے اس بات کا ایک سامان ہیں کہ ہر مقام میں جہاں
تک کلیسیا پھیلتی جائے اور ہر نسل کے اندر جب تک مسیح پھر نہ آئے
خدا کا کلام حق اور اُس کا فضل (جو دونوں اُس کی بخششیں ہیں) اُن
کے کلیسیا کو دئے جانے کا معقول بندوبست قائم رہے
اور بعض شخص جو اُن برکتوں کی خدمتگزاری کے لائق ہیں ایسے طریق

سے مقرر کئے جائیں کہ وہ اُن برکتوں کے دینے والے خدا کے وکیل ٹھہریں
نہ کہ اُن برکتوں کے لینے والے آدمیوں کے۔ کیونکہ وہ تو خدا کے مختار
ہیں۔ اور رسول کرنتھیوں کے پہلے خط کے چوتھے باب کی پہلی آئت اور
ططُس کے پہلے باب کی ساتویں آئت میں اپنے آپ کو اسی لقب سے
ملقب کرتا ہے۔ اور اُس نے اَوروں کو مختلف درجوں میں اپنے اپنے
عہدے کے فرائض انجام دینے کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ اعمال کے
چھٹے باب میں اور فلپیوں کے نام کے خط کے پہلے باب کی پہلی آئت
میں اور تیمتھیُس کے پہلے خط کے تیسرے باب کی آٹھویں سے تیرھویں
آئت تک ڈیکنوں کی تقرری کا بیان ہے اور اعمال کے گیارھویں باب
کی تیسویں آئت میں اور چودھویں باب کی تیئیسویں آئت میں اور
بیسویں باب کی سترھویں آئت سے پینتیسویں آئت تک اور تیمتھیُس کے
پہلے خط کے تیسرے باب کی پہلی آئت سے ساتویں تک اور ططُس کے خط کے
پہلے باب کی پانچویں آئت سے نویں تک پرسبٹروں یا پریسٹوں کی تقرری
کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ تیمتھیُس اور ططُس جیسے اَور شخصوں کو بھی مقرر کیا
جو خدمت کے کام میں رسولوں کا پورا منصب رکھتے تھے۔ اوّل اوّل تو
اکثر ہوتا تھا کہ یہ شخص جو رسولی منصب رکھتے تھے۔ وہ بھی رسولوں کی طرح
کسی خاص کلیسیا پر متعین نہ تھے کہ صرف اُسی کی حدود کے اندر خدمت کریں
اور جب ایسا ہوتا تھا تو ایک ایک کلیسیا کے پرسبٹر کو بشپ یعنی مقامی نگہبان
کا لقب دیا جاتا تھا۔ لیکن کچھ مدت بعد ان عہدوں کی ترتیب میں تھوڑی
سی تبدیلی ہو گئی۔ اور اسی کے مطابق ان کے ناموں کے استعمال میں بھی تبدیلی ہو گئی۔ یعنی ہر کلیسیا میں ایک ایک
رسولی عہدہ دار ہونے لگا۔ اور صرف اس رسولی عہدہ دار کا نام بشپ مقرر ہُوا۔ اور پرسبٹر یا پریسٹ

اور ڈیکن یا شمّاس اس کے ماتحت ہوتے تھے۔ اُس وقت سے اُن عہدہ داروں میں سے صرف بشپ کو کلیسیا کے اندر حکومت اور عبادت اور تعلیم کی عام نگرانی کا منصب رہا ہے۔ اور اُس کو خصوصاً یہ اختیار حاصل رہا۔ کہ وہ پاک خدمت کے لئے اَوروں کو مقرر کرے اور استحکام دین کی رسم میں لوگوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔ پرسبٹروں یا پریسٹوں کا صرف یہ منصب رہا ہے کہ وہ مقدّس رفاقت کی تقدیس میں اور توبہ کرنے والے لوگوں کو معافی کے حکم سُنانے اور اُن کو کلیسیا میں پھر داخل کرنے میں بشپ کے ساتھ اختیار میں شریک ہوں اور تعلیم دینے اور خدمتگزاری کے ماتحت عہدہ ڈیکنوں کے متعلّق رہا ہے۔ ان کے علاوہ کلیسیا میں یہ چھوٹے چھوٹے عہدے بھی رہے ہیں۔ سب ڈیکن۔ ریڈر۔ ڈور کیپر یعنی دربان۔ ایکولائٹ۔ یعنی خدمتگار۔ اِکزورسِسٹ یعنی دُعا کر کے بُری رُوحوں کو آدمیوں کے اندر سے نکالنے والے۔ ڈیکنس یعنی وہ عورتیں جو ڈیکن کا کام کرتی ہوں اور ان کے علاوہ بھی اور چھوٹے چھوٹے عہدے بھی ہوتے رہے ہیں۔ غرضیکہ الٰہی باتوں کے لئے انسانی خدمتوں کا سامان کافی و وافی رہا ہے۔ کلیسیا کے اَور حصوں میں بھی اور انگریزی کلیسیا میں بھی ان عہدوں میں سے بعض کا رواج عملی طرح سے بالکل جاتا رہا ہے۔ ہم میں یعنی انگریزی کلیسیا میں ان میں سے بعض عہدے پھر بحال ہوتے جاتے ہیں۔ مگر بشپ اور پریسٹ اور ڈیکن کے جو پاک عہدے ہیں اُن کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں کہ چرچ آف انگلینڈ یعنی انگریزی کلیسیا میں یہ عہدے برابر قائم رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اس لئے ہم اول سے سارے جہان کی کلیسیائے عامہ کے ساتھ

خادمانِ دین کی اس رسولی تسلسل یا جانشینی میں شریک رہے ہیں۔ اور اس رسولی تسلسل کے ساتھ سارے ساکرامنٹوں یعنی مقدس رسموں کے صحیح طور سے ادا کرنے میں بھی برابر قائم رہے ہیں۔

جب ہم ان مقدّس رسموں کا جائز طور سے ادا کرنا کہتے ہیں تو جائز سے ہمارا کیا مطلب ہے؟ یہ کہ ان کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اور وہ مستند ہیں۔ یہ سچ ہے کہ خدا نے جو فضل کے وسیلے آپ مقرر کر دئے ہیں وہ اُن کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ ہر طور و طریق سے فضل کر سکتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض اوقات جب ظاہری سکرامنٹ بالکل ادا نہیں ہوتے یا واجبی طور سے نہ ہوئے تو اس حال میں بھی اُس نے فضل کیا ہے۔

مگر باوجود اس کے ہمارا فرض ہے کہ ہم الٰہی عہد یعنی اپنے خدا کی مرضی کی شرطوں پر بھی غور کریں۔ جب معلوم ہؤا کہ دینی خدمت خدا کی طرف سے ہے تو کیا اختیار ہے کہ اس میں دست اندازی کریں۔ کیا یہ بات ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اس امر کی قدر و منزلت کے نہ ماننے سے جو کلیسیا میں ٹوٹ پھوٹ ہو کر سینکڑوں فرقے بن گئے ہیں اُس سے کس قدر خرابیاں برپا ہوئی ہیں؟ یاد رہے کہ خادمانِ دین کی تقرری میں رسولی جانشینی کا یہ مقصد ہے کہ کلیسیا کی یگانگی قائم رہے۔ اور ہم پر جو کتھولک کلیسیا کے اعضاء ہیں۔ لازم آتا ہے کہ اس یگانگی کے جتنے امور سدِّ راہ ہیں اُن کو رفع دفع کریں۔ ابھی تک دینی خدمت کے عہدوں کی مناسب قدر و منزلت کا ذکر کیا گیا۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اُن کی قدر و منزلت بھی ایسی کیجانی

ہے جو حد واجب سے باہر ہے دینی خدمت کے اُن عہدوں کی جو
رسولوں کے زمانے سے ہم تک پہنچے ہیں بڑی ہی وقعت اور ضرورت
ہے مگر اُن سے کلیسیا کا تمام روحانی کام ہرگز نہیں ادا ہو سکتا۔ بعض
ایسے لوگ ہیں کہ جو فرائض اور ذمہ واریاں ساری کلیسیا سے متعلق
ہونی واجب ہیں۔ اُن کو وہ صرف پادریوں ہی کا کام سمجھتے ہیں۔
لیکن مسیحی کلام حق۔ دینی تعلیم و تربیت مسیحی عبادت اور پاکیزگی۔ یہ ساری
باتیں ایسی ہیں کہ ان کا فکر پادریوں ہی پر موقوف ہونا مناسب نہیں۔
یہ باتیں ساری کلیسیا یعنی ایمانداروں کی کل جماعت سے متعلق ہیں۔
پادری لوگ جو عام عبادت کے وقت ایک سنجیدہ وضع کا لباس پہنتے
ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُن کے خاص درجے کی تعظیم کی جائے بلکہ
اس لئے کہ کلیسیائے جامع کی جو کاہنوں کی جماعت ہے قدر و منزلت
یاد رہے کہ وہ تمام کلیسیا اپنے سارے درجوں میں خدا کے کلام
پر ایمان رکھتی اور پاک عبادت اور پاکیزہ زندگی اور محبت کی پاک
شراکت میں خدا کے حضور میں حاضر ہوا کرتی ہے ؞

ہماری دُعا خدا سے یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں کلیسائے
انگلستان کو یہ توفیق دے کہ وہ دینی خدمت کے جھوٹے خیالوں
سے کنارہ کر کے جو اُس کے متعلق صحیح صحیح باتیں ہیں اُن ہی پر
قائم رہے ؞

سولھواں باب

ہمارے اَن دیکھے دوست اور دشمن

جو مدد کہ ہم کو سکرامنٹوں یا مقدس رسموں سے ہوتی ہے اور جو
کہ کلیسیا کی شراکت سے ہوتی ہے اُس کا تو ہم نے ذکر کیا ہے۔ مگر
ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس روحانی جنگ و جدل میں ہم مشغول
ہیں اُس میں ہم کو اپنے اُن دوستوں سے بھی بڑی مدد پہنچتی ہے
جو ہم کو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ وہ ہمارے دوست کون سے
ہیں۔ وہ ایک تو وہ مقدس لوگ ہیں جو اس جہان سے رحلت کر گئے
ہیں اور دوسرے آسمانی فرشتے ہیں۔ مگر جس طرح یہ دونوں ہمارے
دوست اور مددگار ہیں اسی طرح ہم کو یہ بھی یاد رکھنا ضرور ہے کہ
ہمارے بعض رُوحانی دشمن بھی ہیں جو ہماری نظر سے تو غائب ہیں مگر
ہیں بڑے زبردست اور سخت دشمن۔ وہ وہ کینہ ور روحیں ہیں جو
خدا کی دشمن ہو گئی ہیں یعنی شیطان اور اُس کے فرشتے۔ جب خداوند
مسیح زمین پر رہا تو یہودی لوگوں میں فرشتے اور شیاطین کا اعتقاد تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتقاد ایک نہ ایک صورت میں ساری قوموں میں
پایا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے خداوند نے اس بارے میں تاکید کے ساتھ
جو کچھ بارہا کہا ہے اُس سے اس اعتقاد میں جو توہمات شامل تھے۔
اُن سے اُس کو پاک وصاف بھی کر دیا ہے اور ہم مسیحیوں کے لئے

اُس مسئلے کی تصدیق کرکے ہمارے اُس مسیحی عقیدے کا جو ہم کو خداوند اور اُس کے رسولوں کے کلام سے حاصل ہوتا ہے ایک جزو ٹھیرا دیا ہے۔ پس ہر شخص جو خداوند مسیح کو کامل درجے کا معتبر ہادی مانتا ہے وہ اس امر میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کرتا کہ ہم کو نیک رُوحوں اور بدروحوں یعنی فرشتوں اور شیطانوں سے بھی واقعی کام پڑا کرتا ہے ✣

اوّل۔ یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے اپنے ہی نفس کی طرف سے اور ہمارے چاروں طرف۔ جو بیشمار آدم زاد دنیا میں رہتے ہیں۔ اُن سے ہم کو آزمائشیں پیش آیا کرتی ہیں۔ مگر ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ ایک اَور طرف سے بھی ہم کو آزمائشیں آتی ہیں۔ اور ہمارے خداوند نے بھی ہمیں بتایا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ بعض وقت ہمارے دلوں میں کوئی ایسا زہریلا خیال یا کوئی ایسی گندی بات یکایک آجاتی ہے اور ایسی صاف واضح اور نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ دل یہی کہتا ہے کہ یہ ضرور کسی ہمارے ایسے بُرے ساتھی کی سُجھاوٹ ہے جو ہمکو دکھائی نہیں دیتا اور غالباً ہے بھی یہی بات۔ اس بارے میں ہم کو یہ بھی یاد رہے کہ محض خیال یا سُجھاوٹ جو اس طرح ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے اس میں ہمارا قصور نہیں جس طرح کہ اگر وہ کسی ہمارے انسانی ساتھی کی طرف سے ہوتی تو اُس میں بھی ہمارا قصور نہ ہوتا۔ مثلاً بعض وقت خدا کی حکومت کے خلاف غرور اور سرکشی کا ایک ایسا سخت طوفان ہمارے دلوں میں جوش مارنے لگتا ہے کہ ہم کو خواہ مخواہ یہ معلوم

ہوا کرتا ہے کہ یہ اُسی کا کام ہے جو سارے جہان میں خدا کے برخلاف ہر طرح کی سرکشی اور مخالفت کا سردار ہے۔ اور غالباً یہی بات ہوتی ہے اور ہمیں اُس سے اپنے تئیں بچانا چاہیئے۔ پھر بعض وقت ہمارے دلوں میں اچھے بن جانے کی طرف سے سخت نااُمیدی دامنگیر ہو جایا کرتی ہے۔ اُس وقت ہم کو دھیمی سی یہ آواز سُنائی دیا کرتی ہے کہ ہماری کوشش بالکل بیفائدہ ہے۔ کیونکہ سب آدمیوں کے دل دراصل خراب ہی ہیں۔ پس بہتر یہی ہے کہ جو ہمارے دل میں آئے وہی کریں۔ جو آدمی دیکھنے میں اچھے معلوم ہؤا کرتے ہیں اُن سے بھی جب پالا پڑتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکاروں سے کچھ بہت اچھے نہیں ہیں۔ اور اگر اچھے آدمی ہیں بھی۔ تو ہمارے خمیر میں اور اُن کے خمیر میں بڑا فرق ہے۔ پس ہم تو ضرور بُرے کے بُرے ہی رہینگے۔ ہم کب اچھے بن سکتے ہیں۔ پھر کوشش کرنے سے کیا حاصل۔ یاد رکھو کہ جب تمہارے دل میں ایسے خیال آئیں۔ تو یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ ایوب کی کتاب کے پہلے باب میں نویں آئت سے بارھویں تک اور ذکریاہ نبی کی کتاب کے تیسرے باب کی پہلی اور دوسری آئتوں میں اور مکاشفے کے بارھویں باب کی دسویں آئت میں شیطان کو آدمی پر الزام لگانے والے کہا گیا ہے۔ اور وہ سارے عیب جویوں کا سردار اور نااُمیدی کا خیال دل میں ڈالنے والا ہے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ کیا ہمارے دلوں کے اندر یہ خیال اکثر نہیں آیا کہ ہم نے فلاں گناہ کے بارے میں دھوکا کھایا ہے۔ مثلاً ہم نے اس لئے چوکسی نہ کی کہ فلاں کام کے کرنے کا جو گناہ آلود

طریق تھا اُس کی بالکل جھوٹی صورت ہمارے دل کے سامنے نظر آئی۔
اور اُس کی پیروی کی طرف ہماری رغبت رہی جب تک کہ اس طریق
سے باز آنا محال ہوگیا۔ پھر اُس وقت ہماری آنکھیں کُھلیں کہ ہم نے
تو اس بات میں بڑا دھوکا کھایا۔ اسی کو گناہ کی دھوکا بازی کہتے ہیں
اور یہ سارے جھوٹوں کے باوا شیطان کی بڑی حکمت ہے۔ کل جھوٹے
نبی اور آدمیوں کے دھوکا دینے والے اُس کے ایلچی اور وکیل
ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عبرانیوں کے خط کے تیسرے باب کی تیرھویں آئت
اور تھسّلُنیکیوں کے دوسرے خط کے دوسرے باب کی دسویں آئت
اور یشعیاہ نبی کی کتاب کے تیسویں باب کی دسویں آئت اور یوحنّا
رسول کی انجیل کے آٹھویں باب کی چوالیسویں آئت سے واضح ہے۔
یقین جانو کہ شیطان جو آدمی کا مخالف اور افسیوں کے خط کے دوسرے
باب کی دوسری آئت کے موافق ہوا کی عملداری کا حاکم ہے وہ
اپنے سارے تاریکی کے لشکر سمیت واقعی شخص ہیں جو ہم کو حقیقتاً
آزماتے ہیں جس طرح کہ اُنہوں نے ہمارے خداوند کو بھی آزمایا
تھا۔ اور دنیا میں جس قدر اخلاقی بُرائیاں ہیں ان سب کی جڑ تو
سراسر وُہی ہیں اور جس قدر جسمانی اور دنیاوی آفتیں ہیں اُن میں
سے بھی بہتیروں کے بانی مبانی وہی ہیں۔ لیکن جس طرح کہ ہمارے
خداوند شیطان پر بالکل غالب آیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوًا کہ وہ مسیح
کی فتحمند انسانیت کے آگے سے بھاگ گیا اور اُس نے جاکر جہنّم میں
اپنا مُنہ چھپالیا۔ اسی طرح ہم بھی جن کے اندر یسُوع کی سچّی رُوح
ہے اُس کے نام اور اُس کی قوت کے وسیلے سے شیطان کا مقابلہ

کر سکتے اور فتح پا سکتے ہیں اور مسیح کے نام سے جو فتوحات کہ ہم آزمائش
کے وقت شیطان پر حاصل کرتے ہیں۔ وہ اُس روز کی فتح کا صرف
ایک نمونہ ہیں جبکہ شیطان اور اُس کا سارا لشکر سب کے سامنے
فتحمند ابن آدم یعنی مسیح کے قدموں کے نیچے پامال کیا جائے گا ✤
دوم۔ جب ایک طرف شیطان اور اُس کا لشکر ہماری آزمائش
کے لئے موجود ہے تو دوسری طرف ہماری حفاظت اور مدد کے
لئے فرشتے تیار ہیں۔ ہم کو فرشتوں کا حال بہت تھوڑا سا معلوم ہے۔
مگر کلام الٰہی میں یہ لکھا ہے کہ وہ خدا کی پرستش کرتے اور اُس کے
منہ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور الٰہی رحم اور عدالت کے بارے
میں جو خدا کے ارادے ہیں اُن کے بجا لانے کے لئے وہ اُس
کی خدمتگزار روحیں ہیں۔ اس بارے میں عبرانیوں کے خط کے
پہلے باب کی چودھویں آئت اور متی کی انجیل کے پچیسویں باب
کی اکتیسویں آئت اور چھبیسویں باب کی ترپنویں آئت کو دیکھو۔ بعض
اوقات یہ فرشتے اس طرح حاضر و دکھائی دئے ہیں جس طرح کہ ایک
آدمی دوسرے آدمی کو آمنے سامنے دیکھتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے
خداوند کی ماں بتولہ مریم کو اُس وقت فرشتہ دکھائی دیا تھا جب
اُس نے اُس کو یسُوع کے پیٹ میں پڑنے کی خبر دی تھی۔ اور
پھر مسیح کے مُردوں میں سے زندہ ہو جانے کے بعد بعض مقدس
عورتوں کو بھی دکھائی دیا تھا۔ اور پطرس حواری کو قید خانے میں
دکھائی دیا تھا۔ مگر یاد رہے کہ ہمارے خداوند نے اُن کے ذکر
میں یہ فرمایا ہے کہ وہ پاک و خالص روحیں ہیں جو نفسانی طبیعتوں

سے بالکل مبرّا ہیں۔ اور وہ ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اُن میں سے بعضوں کو چھوٹے بچّوں کی حفاظت کے لئے مقرر سمجھیں۔ رسولوں کا یقین فرشتوں کے بارے میں یہ تھا کہ وہ زمین پر کلیسیا کی عبادت میں مددگار ہیں۔ اور جب کلیسیا کے لوگ خوف و خطر میں ہوتے ہیں تو فرشتے اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور کلیسیا سے خدا کی حکمت اور محبت کی نئی نئی گہری باتیں سیکھتے ہیں (متی کی انجیل کے اٹھارھویں باب کی دسویں آئت اور بائیسویں باب کی تیسویں آئت اور اعمال کے بارھویں باب کی پندرھویں آئت اور اول کرنتھیوں کے گیارھویں باب کی دسویں آئت اور افسیوں کے خط کے تیسرے باب کی دسویں آئت میں ان باتوں کا ذکر ہے۔ اُن کو دیکھ لو)۔ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں خدا نے اپنی دانائی سے ایسی بیشمار خوب صورت اور عجیب عجیب چیزیں بنائی ہیں کہ اُن کا کچھ حد و حساب نہیں۔ اور یہ چیزیں کسی انسان کو کبھی نظر نہیں آئیں۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی ہمت اور قدرت کے ان کاموں کی قدر شناسی کے لئے نہ صرف ہم انسان ایک ذی عقل مخلوق پیدا کی گئی ہیں بلکہ خدا کی ایک اور مخلوق یعنی فرشتے بھی جو ہر عقل سے آراستہ ہیں جن کا حال ہم انسانوں کو بہت تھوڑا ہی سا معلوم ہے۔ پس اس بیحد و حساب عالم موجودات کی خوبصورتیوں اور عجائبات کو دیکھ کر خوش ہونے اور خالق حقیقی کی حمد و پرستش کرنے کے لئے فرشتوں کا ہونا کیسا موزون ہے۔ اس سے معلوم ہؤا کہ خدا کی عبادت اور ستائش کے لئے اس بے حد و حساب عالم میں جو سامان موجود ہے اُس میں جو خدمت و عبادت کہ انسان بجا

لاتا ہے وہ صرف ایک تھوڑا سا حصہ ہے۔ اور فرشتے بھی اُس میں بڑا کام دیتے اور انسان اور خدا کے بیچ میں درمیانی کا مرتبہ رکھتے ہیں *

۳۔ لیکن فرشتوں کے علاوہ اَور بھی ایسے شخص ہمارے مددگار ہیں جو ہم کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ یہ وہ مبارک اور مقدس لوگ ہیں جو موت کے باعث اس جہان سے رحلت کر کے عالم جاودانی کو چلے گئے ہیں۔ وہ اب اس ہماری دنیا میں تو نہیں رہتے مگر خدا کی نظر میں وہ زندہ ہیں اور مقدسوں کی شراکت جو ہم کو حاصل ہے اُس کے وسیلے سے ہم ان کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔ جس رسولی مصنف نے عبرانی مسیحیوں کو خط لکھا ہے وہ اُن کو اُس خط کے بارھویں باب میں بائیسویں آئت سے چوبیسویں تک یہ کہتا ہے کہ تُم صیہّون کے پہاڑ اور زندہ خدا کے شہر یعنی آسمانی یروشلم کے پاس اور لاکھوں فرشتوں اور کامل کئے ہوئے راستبازوں کی رُوحوں کے پاس آپہنچے ہو"۔ پس اس سے معلوم ہؤا کہ ہم نہ صرف فرشتوں کی صحبت و رفاقت میں شریک یا داخل ہو گئے ہیں بلکہ اُن مبارک لوگوں کی صحبت میں بھی جو اس جہان سے رُخصت ہو گئے ہیں۔ یہ تو ہم کو معلوم نہیں کہ وہ ہمارے حال سے کس قدر واقف ہیں۔ اس بارے میں خدا نے ہم کو کچھ الہام نہیں دیا۔ ہم یہ بات تو تحقیق طرح نہیں بتا سکتے کہ آیا جب ہم کو ضرورت ہو تو ہم اپنے حق میں اُنکی خاص دُعائیں مانگنے کے واسطے اُن سے گویا بات چیت کر سکتے ہیں۔ خدا نے ہم کو جو یہ بات اپنے کلام میں نہیں بتائی تو اُسکی وجہ

اگر یہ ہو تو واجب ہے کہ اس سے ہم صرف خدا باپ اور اپنے الٰہی
اور انسانی خداوند مسیح اور رُوح القدس کی پرستش ہی میں ثابت قدم
رہیں گے۔ مگر خدا نے ہم کو ضرور بتا دیا ہے کہ ہمارے جو دوست
غیر مرئی جہان میں ہیں وہ بھی ہماری طرح خداوند مسیح کی جلالی
بادشاہت کی آمد کے منتظر ہیں۔ اور آسمانی تخت کے سامنے ہم بھی
اپنی دُعائیں اُن کی دُعاؤں کے ساتھ شامل کر سکتے ہیں کہ اُس دن
کے آنے میں اَور دیر نہ کی جائے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ وہ اس
بات کو دیکھتے رہے ہونگے کہ جو روحانی لڑائی انہوں نے بڑی
بہادری کے ساتھ لڑی اور اُسی کو وہ ہمارے سپرد کر گئے ہیں۔
کہ اُس کو انجام تک پہنچائیں ہم اب اُس لڑائی میں مردانگی دکھاتے
ہیں یا نہیں۔ مقدسوں کی رفاقت کے اس خیال سے شائد ہم کو
جس قدر تقویت حاصل ہو سکتی ہے اُس سے آدھی بھی ہم حاصل
نہیں کرتے۔ جو مقدس لوگ رحلت کر گئے ہیں۔ وہ کلیسیا سے جدا
نہیں ہو گئے۔ بلکہ اُن کو کلیسیا کا وہ حصہ یا لشکر متصوّر کرنا چاہیئے جو
اَوروں کی نسبت سب سے آگے نکل گیا ہے۔ وہ ہمارے واسطے
پاک صاف طرح سے زندگی گزارنے کے نمونے بھی ہیں۔ اور وہ
ہی ہمارے لئے ہمارے پاک ایمان کا ورثہ بھی چھوڑ گئے ہیں۔ اور
ان دونوں باتوں کے علاوہ ایک اَور صحیح بات یہ بھی ہے کہ وہ اور
ہم دونوں مسیح کے ایک جسم یعنی کلیسیا میں شامل ہو کر دُعا اور حمد
کرنے اور ایمان کی یکساں زندگی بسر کرنے کے لئے زندہ ہیں۔
ہمارا ایمان اور اُمید اور محبّت اور دُعا وُہی ہے جو اُن کی بھی ہے۔

اور اُسی میں حضرت مریم جو ہمارے خداوند کی پاک اور جلالی کنواری
والدہ ہیں وہ بھی متفق اور شریک ہیں۔ اور وہ عورت بھی جو گنہگار
تھی مگر توبہ کر کے اُس نے خداوند سے بڑی معافی پائی اور اس
لئے وہ اس سے بڑی محبت رکھتی تھی وہ بھی اس میں شریک ہے۔
اور پُرانے عہدنامے کے وقتوں کے بزرگ بھی اور رسول اور شہید
اور سارے مقرّان دین[1] خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں خواہ بچے۔ اور
مقدس رہنما اور دانا چوپان اور مائیں اور اَور سب جو پاکیزہ زندگی
گزارنے میں مشہور تھے۔ اور اس لئے مقدسوں کے نام سے سارے
جہان کی کلیسیا میں اُن کی یادگار باقی ہے۔ اور وہ بھی جنہوں نے
مسیحی ایمان اور زندگی کے لئے رُوحانی لڑائیاں لڑیں اور فتوحات
بھی حاصل کیں مگر ایسے گمنام رہے کہ اُن کا نام اور حال صرف
تھوڑے ہی شخصوں کو معلوم ہؤا یا کسی کو بھی معلوم نہ ہؤا۔ لیکن تاہم
اُنہوں نے اپنی پوشیدہ زندگی کو ایمانداری اور وفاداری کے ساتھ
گزارا اور اُن کے جسم ایسی قبروں میں آرام کرتے ہیں جہاں کوئی
جا کر نہیں دیکھتا۔ یہ سب اُسی میں شریک ہیں۔ ان سب کے ساتھ
ہم جو زندہ ہیں ایک ہیں۔ ان سب کو آنکھوں سے دیکھنا اور اُن
سے ملاقات کرنی ایک روز ہم کو نصیب ہو گی۔ اور یہ مبارک نظارہ
خدا کے اُس رویا اور جلال کا ایک جزو ہو گا۔ جس کے ایک
دن دیکھنے کی ہم اُمید رکھتے ہیں +

[1] مقرّان دین اُن لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے کلیسیائی ایذارسانی کے وقت اپنی جان کا
خطرہ گوارا کر کے مسیحی ایمان کا اقرار کیا +

اس درمیانی عرصے میں اگرچہ ہم اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ تاہم کلیسائے عامّہ کا وُہی تو بہت زیادہ بڑا حصہ ہیں۔ اور جب ہم کلیسیا کے تفرقے دیکھتے ہیں تو ہم بڑا افسوس تو کرتے ہیں مگر اس خیال سے ایک تسلّی بھی ہوتی ہے کہ مسیح کا جو جسم ہے اُس کے ادنٰے اعضا دنیا میں موجود ہیں۔ اُن میں کتنی ہی جدائی کیوں نہ ہو۔ تاہم جتنے مسیح کے سچے دل سے پیرو ہیں وہ ہمارے خداوند میں مشترک پیوند ہونے کی وجہ سے اور اس باعث سے بھی کہ وہ اس کلیسیا کے ساتھ یگانگت میں وابستہ ہیں جو فردوس میں ہے اور اُسکی رفاقت وصحبت عامہ میں قائم رہتے ہیں۔ یہ تفرقے انسان کے گناہ کے باعث سے ہیں۔ فردوس میں اِن کا کچھ دخل نہیں ہے۔ موت کے بعد ایماندار مسیحیوں کے درمیان نہ فرقے ہوتے ہیں نہ جدائیاں۔ اس بارے میں مقدس آگستین یہ فرماتے ہیں کہ پورا مسیح سر اور بدن سے مرکب ہے۔ سر تو مسیح خود ہے اور بدن اُس کی کلیسیا ہے۔ نہ کہ یہ کلیسیا یا وہ کلیسیا بلکہ جو ساری کلیسیا روے زمین پر پھیل رہی ہے۔ وہی ہے۔ نہ وہی کلیسیا جو فے الحال زمین پر موجود ہے۔ بلکہ وہ کلیسیا جس میں وہ بھی شریک ہیں جو ہم سے پہلے تھے۔ اور وہ بھی جو دُنیا کے آخر تک ہمارے بعد آئیں گے ✢

سترھواں باب

موت کے بعد کی کیفیت

جس قدر یہ بات تحقیق ہے کہ ہم سب مرجائیں گے[1]۔ اس سے زیادہ تحقیق اَور کوئی بات نہیں۔ اگرچہ یہ موت اس قدر تحقیق تو ہے۔ تاہم جو لوگ مسیح یسوع پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے اس سے اَور کوئی بات زیادہ تر تحقیق نہیں ہے کہ یہ موت ہم میں سے کسی کے لئے بھی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔ اس لئے اگر موت میں ہمارے لئے کوئی ڈر ہے تو یہ ڈر اُس شے کے لئے اس قدر نہیں ہے جس کو موت غارت کرسکتی ہے جس قدر کہ اُس کے لئے جسے وہ غارت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ ہماری رُوحوں کو جو ہمارا اصلی آپا ہیں نہ تو موت غارت کرسکتی ہے اور نہ اُن میں کچھ تبدیلی کرسکتی ہے۔ ہماری سمجھ اس غلطی کی طرف مائل ہے کہ مرنے کے پیچھے لوگوں کو ایسا جانیں کہ جو وہ درحقیقت تھے گویا اُس سے وہ اب بالکل مختلف ہوگئے ہیں۔ اس سے یہ وہم بھی پیدا ہوُا ہے کہ گویا موت ہماری خصلت کو بدل دیتی ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہ کرتی ہے کہ ہم کو ایک پودے کی طرح دنیا میں سے جس کے ساتھ

---

[1] ہم جب یہاں مرجانے کا ذکر کرتے ہیں تو اس لفظ سے فانی زندگی کا خاتمہ مراد ہے خواہ معمولی موت سے خواہ مسیح کی آمد سے ہو (۱۔ کرنتھیوں ۱۵۔ ۵۰ تا ۵۲) ✢

ہم بہت ہی مانوس اور ہلے ہوئے ہیں۔ اس جہان سے اُکھاڑ کر
اُس جہان میں جا لگاتی ہے۔ جب موت ہم کو اس جہان سے
دوسرے جہان میں جا لگاتی ہے تو جو عادتیں اور خصلتیں کہ ہمنے
اپنے لئے اس دنیا میں پیدا کر لی تھیں۔ وہ جوں کی توں اُس
نادیدہ جہان میں بھی برقرار رہتی ہیں۔ وہاں خدا نے یہ ٹھیرایا ہے
کہ جس طرح وہ ہمارا انصاف کرتا ہے اسی طرح ہم آپ اپنا انصاف
کریں ٭

موت کے اُس پار اگر ہم کوئی بُرا کام کریں یا خدا کے حکموں
کو بجا نہ لائیں تو یہ نہیں ہے کہ اس دنیا کی طرح وہاں ایسے ہی کام
کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت ہو جس کو دیکھ کر ہم کو تقویت
اور تسلّی ہو کہ صرف ہم ہی بُرا نہیں کرتے بلکہ اَور بھی بہت سے ایسے
ہیں جو ایسا ہی کرتے ہیں نہ وہاں خاوند یا بیوی یا دوست ہم کو سہارا
دینے والے ہونگے کہ اَور بھی بہت سے ایسے ہی کام کرتے ہیں اس
لئے اس میں کچھ عیب نہیں ہے۔ اور نہ وہاں عیاشیاں۔ اُباشیاں اور
ایسے شغل ہونگے جن سے ہمارے دل خدا کی طرف سے علیٰحدہ ہو کر
اُن میں لگے رہیں۔ بلکہ وہاں تو ایک بھیانک تنہائی اور خاموشی کا
عالم ہوگا اور اُس حالت میں ہم اپنے آپ کو خدا کی بڑی خوفناک
روشنی میں شائد اول ہی اول اس طرح پر دیکھیں گے جیسے کہ ہم
درحقیقت ہیں۔ مگر جو کچھ ہو چکا ہے وہاں اُس کی اصلاح و علاج نہیں
ہو سکیگا۔ موت کے پرلے پار جو عالم نادیدنی ہے اُس کا بہت سا
حال ایسا ہے کہ ہم اُس سے یا تو مطلق واقف نہیں یا تحقیق طرح سے

نہیں جانتے۔ مگر خداوند کے فرمانے کے موافق یا اپنی دلی تمیز کی گواہی
سے جو حال اُس عالم کا ہم کو تحقیق معلوم ہوتا ہے وہ ہم یہاں سب
سے پہلے ناظرین کے لئے لکھتے ہیں ٭

اوّل تو یہ کہ جیسے ہم نے پہلے کہا ہم کو یہ بات تحقیق طور سے معلوم
ہے کہ جس شے کا نام ہم موت رکھتے ہیں وہ ہماری زندگی کا خاتمہ
نہیں ہے۔ موت کے وقت انسان کی رُوح مُردہ جسم سے جدا ہو جاتی
ہے۔ جسم تو موت کی نیند میں آرام کرتا ہے۔ اور انسان کی رُوح
کے بارے میں خداوند نے یہ فرمایا ہے کہ وہ خدا کے لئے جیتی
رہتی ہے۔ یہ بات ہمارے خیال میں نہیں آسکتی کہ ہماری رُوح
کی زندگی ہمارے جسم بغیر کیونکر ہو گی۔ اپنے تجربے سے تو ہم کو
اُس کی زندگی کا حال معلوم ہے جو جسم میں ہوتی ہے۔ اور وہ زندگی
ہماری طبعی یا پیدائشی حالت ہوتی ہے۔ اور ہماری ازلی حالت
بھی وہی ہو گی۔ کیونکہ۔

دوم ہم جسم کی قیامت کا تحقیق طرح سے یقین رکھتے ہیں۔ اس کا
یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اُن جسموں کے ذرّے۔ جو قبر میں دفن ہو
گئے اور گل سڑ گئے اور اُن سے مختلف قسموں اور شکلوں کی جاندار
چیزیں پیدا ہو گئیں۔ وہ پھر جمع ہو کر اکٹھے ہو جائینگے۔ بلکہ مطلب
یہ ہے کہ ہم اپنے اُس آپے کے اندر ایک رُوحانی جسم سے دوبارہ
ملبس ہو جائینگے۔ اور اُس جسم کو ہم پہچانیں گے کہ ہمارا ہی جسم ہے۔
غالباً اُس کی وجہ یہ ہو گی کہ وہ جسم گویا ہمارے جوں کے توں
آپے کی شکل اور سانچے پر ڈھلے ہوئے ہونگے۔ بہر حال جیسا کہ

قرنتیوں کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی اڑتیسویں اور ۴۲ سے ۴۴ تک میں لکھا ہے خدا ہر ایک کو ایک ایسا جسم دیگا جیسا کہ اُس کی مرضی ہوگی اور وہ روحانی جسم ہوگا۔ جو لوگ علوم میں فضیلت رکھتے ہیں وہ ہم کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ اس زندگی میں ہر ایک خیال جو ہماری عقل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے مطابق ہمارے دماغ کی مادّی شے میں ایک تبدیلی یا نقش پڑ جاتا ہے۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ رُوحانی جسم میں رُوح اور جسم کی یہ مطابقت اور بھی زیادہ کامل طور سے ہوگی۔ یہ بات تحقیق ہے کہ رُوحانی جسم کی شے ہمارے موجودہ جسم کی نسبت اس قدر زیادہ لطیف اور نازک ہوگی جس قدر ایتھر عام مادّے کی نسبت زیادہ لطیف اور نازک ہوتی ہے۔ غرض ہمارا روحانی جسم ہو بہو ہمارے آپے کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہماری شکل ہوگی۔ ہم کو معلوم ہے کہ یہاں تو ہمارا جسم ہمارے اصلی آپے کو کم و بیش پوشیدہ رکھتا ہے۔ وہاں ضرور ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم جو کچھ ہیں اور جو خیال ہمارے اندر آتے ہیں اور جو خواہشیں اور محسوسات ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں وہ سب ہمارے جلالی۔ اور ناقابل رنج و آزار جسم میں بعد قیامت کے بغیر کسی کوشش یا دقّت اور بغیر امکان پوشیدگی اور غلط فہمی کے مِن وعن ظاہر ہو جائیں گے۔ بہر حال قیامت کے بعد ہمارے جسم تو ہونگے خواہ ہماری بھلائی کے لئے ہوں یا بُرائی کے لئے۔ کیونکہ اگر اُس جہان میں ہمارے رُوحانی جسم ہمارے اصلی آپے کو ظاہر کرینگے اور اُس کو نہ چھپائینگے۔ تو اس صورت میں ممکن ہے

کہ ہمارے جسم ہی خود قیامت کے روز ہم کو ملزم ٹھیرائیں۔ کیونکہ یوحنّا رسول کی انجیل کے پانچویں باب کی انتیسویں آئت میں یوں لکھا ہے کہ "جنہوں نے نیکی کی ہے زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے بدی کی سزا کی قیامت کے واسطے قبروں سے نکلیں گے"۔

سوم۔ کیونکہ ہماری قیامت کے ساتھ ہماری آخری عدالت بھی تحقیق طرح سے متعلق ہے۔ اور یہ عدالت نہ صرف ہماری ایک ایک کی۔ بلکہ تمام آدمزاد اور کل عالم موجودات کی بھی عدالت ہوگی۔ روز عدالت ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کا زبان سے کہنا تو بڑا آسان ہے۔ لیکن اس سے جو اصلی مطلب ہے۔ اُس کی صحیح تصویر کس کے خیال میں آسکتی ہے۔ یہ وہ دن ہے جب سارے جھوٹ اور فریب کُھل جائینگے۔ اور سچ کو روکنے والی کوئی شے نہ رہیگی۔ جب ساری بُری باتوں کی درستی ہو جائیگی۔ اور سارے ظلم اور بے انصافیاں اور بے رحمیاں مسیح کے بھڑکتے ہوئے غصّے کی آگ سے بالکل غارت کر دی جائینگی۔ اُس وقت حلیم و مسکین لوگ جو مسیح کے دوست ہیں سب آدمیوں کے سامنے فتحمندوں کی طرح خوشی کرتے ہوئے زمین کے مالک بنینگے۔ اُس روز ہر شے اور ہر شخص بالکل اور محض ایسا نظر آئیگا جیسا کہ وہ مسیح کی نظر میں ہے۔ اُس کے سچّاپن اور حلیمی اور راستی کی بزرگی ہر جگہ اور برملا دکھائی دیگی۔ اُس روز سارے معمےّ حل ہو جائینگے اور تکلیف اور رنج کے بھید کا سارا مطلب اس برّے کے جلال اور فتح سے سمجھ میں آجائیگا جو ہمارے گناہوں کے عوض میں مارا گیا تھا۔ اُس ہیبت ناک دن

کی تصویر تو ہمارے خیال میں نہیں آسکتی۔ لیکن ہم اُس کا یقین کر سکتے ہیں اور اُس کے بالکل تحقیق ہونے کی وجہ سے ہر ایک بات کو جو خدا کی ابدی روشنی کے آگے ٹھیر نہیں سکتی اپنے دلوں کے اندر سے نکال کر پھینک دے سکتے ہیں ✣

چہارم پھر عدالت کے بعد بہشت کا دروازہ کُھلیگا۔ یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں آدمی رُوح اور جسم دونوں میں اس قدر کامل بن کر جس قدر کہ اُن کو بننا لازم ہے۔ کامل زندگی کے ساتھ اُس کامل شہر میں زندہ رہیں گے۔ اور سارے فرشتوں کے لشکر کے ساتھ وحدانیت میں ثالوث خدا کی پرستش کرینگے۔ اُن کو ساری چیزوں میں خدا اور خدا میں ساری چیزیں نظر آئینگی۔ سارے جہان کے سچ اور خوب صورتی کا بڑا حظ اُٹھائینگے اور باہمی محبّت اور رفاقت اور خدمت کی خوشی سے اُن کا دل باغ باغ رہے گا اور ان باتوں میں وہ ہمیشہ ترقی کرتے چلے جائیں گے جس کا کبھی انجام نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کی ہستی جس میں ساری روحیں جیتی رہتی ہیں اُس کی دولت کا ایسا بے انتہا خزانہ ہے کہ نئی نئی اور طرح طرح کی چیزوں کی وہاں کبھی کمی نہ ہوگی ✣

پنجم۔ روز عدالت کے بعد دوزخ کا دروازہ بھی کھلیگا۔ یہ وہ جگہ یا حالت ہے جو شریروں کی سزا کے لئے ہے۔ اس سزا کو نئے عہدنامے میں بعض وقت ایسے الفاظ سے بیان کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ گویا وہ نتیجہ ہے اس فتوے کا جو الٰہی منصف اس طرح دیگا جس طرح کہ کوئی دنیا کی عدالت دیتی ہے (متی کی انجیل

کے پچیسویں باب کی اکتالیسویں آئت کو دیکھو۔ مگر بعض مقام پر انجیل میں اسی سزا کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا وہ گناہ کا تو قدرتی نتیجہ ہے جیسا کہ اس زندگی میں لوگوں کو بیماری یا گھاٹا آ جاتا ہے (چنانچہ کرنتھیوں کے دوسرے خط کے پانچویں باب کی دسویں آئت کو دیکھو)۔ مردودوں کی سی سزا کی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے ایسی کھینچی گئی ہے کہ وہ گھر کے باہر کا اندھیرا مقام ہے۔ اور آگ اور کیڑوں کی جگہ ہے۔ ان تصویروں سے ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ ایسی حالت ہوگی جیسے کہ کسی کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں اور وہ مصیبت اور رنج اور پشیمانی کی حالت میں گرفتار رہتا ہے ✣

دوزخ کی اس سزا کے بارے میں لوگوں نے بہت سی ایسی باتیں بیان کی ہیں جو خدا کے کلام کے مطابق نہیں ہیں۔ ان سے بہت سا نقصان پیدا ہُوا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ الٰہی انصاف اور محبت کو ہم سمجھتے ہیں اُس سے یہ باتیں بالکل میل نہیں کھاتیں۔ مثلاً یہ تعلیم دینی ایک بڑا گناہ ہے کہ بعض لوگ خدا کی طرف سے ایسے پیدا کئے گئے ہیں کہ وہ دوزخ کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یا یہ کہ کوئی شخص صرف اس لئے ہلاک ہو کہ وہ انجیل کی سچائی سے واقف نہ تھا۔ جیسا کہ بُت پرست لوگ ہیں۔ یا یہ کہ جیسا مسیحی ملکوں میں بہت سے لوگوں کا حال ہے کہ اُن کو خدا کا علم حاصل کرنے اور اُسکی بندگی کرنے کا کوئی اصلی موقع نہیں ملا۔ اس بات کا تو ہم کو بالکل یقین کرنا چاہیئے کہ جیسا اُس نے اپنے کلام میں اپنے رسُول کی زبانی فرمایا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں (۱۔تیمتھیس ۲-۴)

اور اگر ہر شخص کی رُوح کو جسے خدا نے پیدا کیا ہے اُس کا علم حاصل کرنے اور اُس سے محبت کرنیکا بخوبی موقع اس دنیا میں نہیں ملا ہے تو اُس کو اس دنیا کے بعد ایسا موقع دیا جائیگا پھر بعض نے یہ بیان کرنے کی جرات کی ہے کہ بنی آدم کا بڑا حصّہ ابدی ہلاکت میں پڑیگا اور بعض کا یہ قول ہے کہ کمتر ہلاکت میں پڑینگے۔ ایسا کہنے کی مطلق کوئی وجہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کا اور بہت سی اَور باتوں کا بھی ہم کو کچھ حال معلوم نہیں ہے لیکن جب ہم ان ساری باتوں کی تعلیم کی غلطی مان لیتے اور اُس کو رفع کر دیتے ہیں پھر بھی یہ خوفناک سچی بات ضرور باقی رہ جاتی ہے جس کا تحقیق ہونا ہم کو مجسم الہی محبت یعنی خود خداوند مسیح یسوع کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمیوں کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کی روشنی سے اس لئے دشمنی کریں کہ وہ اُن کی نفسانی خواہشوں یا غرور کی باتوں میں ہارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ الہی روشنی سے یہاں تک مخالفت کریں کہ آخر کو اُن کے دل اس طرف سے بالکل تاریک ہو جائیں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ جو شے بھلی ہے وہ اُن کی نظر میں بُری ٹھیر جائے۔ اور جو بُری بات ہے اُس کو وہ اچھا سمجھنے لگیں۔ اور آخر کار اُن کی حالت بھی شیطان کی مانند ہو جائے اور وہ ابدی گناہ کے قصوروار ہو جائیں جس کی معافی نہ اس عالم میں کی جائیگی نہ آنے والے میں۔ (اس کے بارے میں متی کی انجیل کے بارھویں باب کی بتیسویں آئت اور مرقس کی انجیل کے تیسرے باب کی اُنتیسویں آئت دیکھو)۔ یاد رہے کہ اس گناہ کے نہ بخشے جانے کی یہی وجہ ہو گی کہ جو لوگ اُسے کرتے ہیں اُنہوں نے اپنے آپ کو آخر کار ایسا سخت بنا لیا ہے کہ وہ توبہ کر نہیں سکتے اور نہ خدا کی محبت کی خواہش

اُن کے دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے *

میری رائے یہ ہے کہ خداوند مسیح نے دیدہ و دانستہ گناہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اُسکو پڑھ کر یہ سمجھنا ناممکن ہے کہ ہر آدمی کی رُوح کیسا ہی وہ گنہگار نہ ہو آخر کار سزا اور تکلیف سے بری ہو جائیگی۔ ہم کو یہ بات تو ضرور مان لینی چاہیئے کہ اس بارے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو ہم نہیں جانتے مگر البتہ ایسے شخص بھی ہونگے جن کے حق میں وہی کہنا پڑیگا جو خداوند مسیح نے یہودا اسکریوتی کے باب میں کہا کہ "اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لئے اچھا ہوتا" (متی ۲۶-۲۴) *

پنجم۔ یہ بات کہ موت کے وقت سے لیکر عدالت کے دن تک جو انتظار کا درمیانی وقت ہے اسکی بابت ہم کو تقریباً کچھ معلوم نہیں۔ ہم میں سے جو سب سے اچھے ہیں وہ بھی جب مرتے ہیں تو ناکامل ہی حالت میں رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جن کی نجات کے بارے میں ہم کو خوب بھروسہ تو ہے لیکن مرتے وقت وہ بہت ہی ناقص اور جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم کو خواہ مخواہ یہ خیال آتا ہے کہ انتظار کی درمیانی حالت کے وقت آدمیوں کے دل صاف کئے جاتے اور اُن کی عقلیں روشن کی جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں عمل بغیر تکلیف کے تو کیا ہوتے ہونگے یہ خیال دل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مسیحی ہمیشہ اُن لوگوں کے لئے جو اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں یہ دعا مانگتے رہے ہیں کہ اُن کو اُس دھندلے مقام میں جہاں خوشی اور رنج دونوں ملے جلے ہیں آرام اور رحم اور فرحت اور روشنی نصیب ہو۔ ہم کو جو اس درمیانی حالت کی کچھ کیفیت تحقیق طرح سے نہیں بتائی گئی ہے اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت یا خاص مصلحت معلوم ہوتی ہے۔ پطرس رسول کے پہلے خط کے تیسرے باب کی اُنیسویں اور بیسویں آئت اور

چوتھے باب کی چھٹی آیت میں جو کچھ اُن لوگوں کے بارے میں کہا ہے جو حضرت نوح کے طوفان میں ہلاک ہوئے ہیں! اُس سے ہم یہ بات دریافت کر کے خدا کا شکر کرتے ہیں کہ مُردوں کو بھی انجیل سُنائی جا سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت بھی آدمیوں کے لئے ایک نئی زندگی حاصل کرنے کا موقع ہو سکتا ہے ٭

غرض جن باتوں کا ہم نے ابھی بیان کیا ہے اُن کا علم ہمیں کم تو ہے مگر جتنا ہے وہ ہمارے چال چلن کی اصلاح کے لئے کافی ووافی ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ جو کام ہم روز کرتے ہیں اُن سے عادتیں قائم ہو جاتی ہیں! اور اُن کے قائم ہو جانے سے طبیعت انسان کی ایک خاص طور کے سانچے میں آپڑتی ہے۔ پھر ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ موت کے بعد عدالت کا دن آنیوالا ہے۔ اور اس آخری عدالت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا کی خلقت یعنی مسیح کی بادشاہت میں ساری چیزیں اُس اُس جگہ پر بحال ہونگی جس جس جگہ کے لئے پیدا ہوئی تھیں۔ یا جس لائق انہوں نے اپنے آپ کو بنالیا ہے۔ اُس وقت ہر جگہ خدا ہی کا حکم اور انتظام ہوگا ہر شخص کی عقل اور دل اس انتظام کو تسلیم کریگا! اور خدا کی سلطنت اور انصاف اور خوبی کی ستائش کریگا۔ جیسا کہ فلپیوں کے نام کے خط کے دوسرے باب کی دسویں اور گیارھویں آیتوں میں لکھا ہے "کہ یسوع کے نام پر ہر گھٹنا ٹکے گا خواہ آسمانیوں کا ہو خواہ زمینیوں کا خواہ اُن کا جو زمین کے نیچے ہیں۔ اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کریگی کہ یسوع مسیح خداوند ہے" ٭

فہرست کتب

ایس۔ پی۔ سی۔ کے

عین الحیات .. .. ۴ر مجلد ۸ر

اپنے دل کو جانچنے کے لئے خدا کے دس حکموں کی بابت سوال .. ۳ پائی

عشائے ربانی کا بیان .. .. ۶ پائی

بارہ نصیحتیں (مستقیم ہونے والوں کے لئے) .. .. .. ۱ پائی

چند وعظ از پادری رائٹ صاحب مرحوم .. .. .. ۳ر مجلد ۸ر

دعائے عام کی کتاب .. .. .. ۸ر مجلد ۱۰ر سارے چمڑے کی لعہ ر

قواعد چوپانی از مقدس گریگوری اعظم ۳ر

ایک سہ سالہ کورس (بائبل پڑھنے کا) .. .. ۶ پائی

تذکرہ بشپ فرنچ ۳ر

ہدائت الاستقامت .. .. ۱ر مجلد ۲ر

استحکام کی عبادت کی ترتیب .. .. .. ۳ پائی

استحکام (فوائد استحکام پر کینن ہور صاحب کا ایک وعظ) ۳ پائی

تعلیم استحکام کے روحانی نتائج پر پادری ہوپر صاحب ڈی ڈی کا ایک رسالہ ۳ر

کیٹیخومن بنانے کی ترکیب .. .. ۳ پائی

کیٹیکزم یعنی تعلیم بطور سوال و جواب .. .. .. ۶ پائی

خلوتی دعاؤں کی کتاب .. .. ۲ر ۶ پائی

خداوند کی دعا کی تفسیر میں گیارہ وعظ .. .. ۳ر مجلد ۸ر

مسیحی گیت کی کتاب .. .. ایک روپیہ

مسیحی کلیسیا کی مختصر تواریخ .. .. .. ۴ر مجلد ۸ر

مسیح کی سلطنت کی بابت دعائیں .. .. .. ۶ پائی

مزامیر اور حمد (گانے کے لئے مرتب) ۲ر

مقدس ہفتہ کا احوال .. .. .. ۳ پائی

نور مسیحی - یعنی خداوند یسوع مسیح کا مختصر احوال (جیسا اناجیل میں درج ہے) .. .. .. ۶ پائی

پاک شراکت کے لئے تیاری کی خاص عبادت .. .. .. ۳ پائی

رفاقت اقدس کے لئے دعوت اور مختصر سی تیاری ۱۰ر

رشتوں اور ناطوں کی فہرست .. .. .. ۳ پائی

دعائے عمیم بطرز سوال وجواب ۳ر

تفسیر العقائد مصنفہ ڈاکٹر مکلیر صاحب ۴ر

تحفۃ النساء یعنی مسیحی مستورات کا تذکرہ .. .. .. ۶ر فی ۳ پائی

استفینت ایک وعظ مصنفہ کپتان ہور صاحب .. .. .. ۳ پائی

بچوں کا بپتسمہ کے بیان اور تائید میں رسالہ ۱ر

خانگی دعاؤں کی کتاب .. .. .. ۱ر مجلد ۱۴ر

ان کے علاوہ ہر قسم کی کتب دینی اور بائبل اور بائبل کے حصے یورپ اور ایشیا کی اکثر زبانوں میں مقررہ قیمت پر مل سکتے ہیں +

درخواستیں بنام اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور آنی چاہئیں